

اس شمارہ میں

سیر پرست

رقم	عنوان	المؤلف	النوع	المحتوى
۱	اب اس کا گلہبان، اگر ہے تو خدا ہے	خواجہ الطاف حسین حائی	اداریہ	شعر و ادب
۲	دل در دمند، فکر ارجمند اور زبانی ہو شمند	محمد عیر الصدیق ندوی	دوف پرورد	دل در دمند، فکر ارجمند اور زبانی ہو شمند
۳	احوال عالیہ	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	صحیت مند معاشرہ کے تین ستون	احوال عالیہ
۴	حق و بیاطل	حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی	‘وہ قلیٰ کرتے ہیں تو چرچائیں ہوتا’	حق و بیاطل
۵	فکر معاصر	مولانا ذاکر سعید الرحمن عظی ندوی	دشمنان اسلام اور حملین دین	فکر معاصر
۶	تجذیب ایمانی	مولانا سید محمد واضح رشید حنفی ندوی	تو قتل عمل اور قوت ارادی کی ضرورت	تجذیب ایمانی
۷	یادوں کے چراغ	مولانا بلال عبدالحی حنفی ندوی	‘ہے جرم ضمیحی کی سزا مرگ مفاجات’	یادوں کے چراغ
۸	ایک نایگہ روزگار خصیت	ڈاکٹر حسن عثمانی ندوی	ایک نایگہ روزگار خصیت	ایک نایگہ روزگار خصیت
۹	اجتماعی اجتہاد	مولانا عثیق احمد بستوی	کلیدی خط پرسروزہ فقہی سیمینار	اجتماعی اجتہاد
۱۰	اخبار امت	فیصل احمد ندوی	حماس کی پیش قدمی اور متوقع فوائد	اخبار امت
۱۱	یاد رفتگان	مولانا محمد شاہد حنفی سہار نپوری	مولانا محمد شاہد حنفی سہار نپوری	یاد رفتگان
۱۲	محاسن اسلام	عبدالسلام خطیب ندوی	محاسن اسلام	بیوہ اور مطلقاً کے ساتھ حسن سلوک
۱۳	روداد چمن	ڈاکٹر محمد فرمان ندوی	روداد چمن	بیوہ اور مطلقاً کے ساتھ حسن سلوک
۱۴	فقہ و هتایوں	کلبی اللہ خاں / محمد رغوب الرحمن	رپورٹ سروزہ فقہی سیمینار	فقہ و هتایوں
۱۵	سوال و جواب	مفتقی محمد ظفر عالم ندوی	سوال و جواب	سوال و جواب

پرمنٹ پلشیر محمد لٹا اطہر نے آزاد پرنسپنگ پریس، نظیر آباد، لاکھنؤ سے طبع کرائے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات بیگوں مارگ، بادشاہ باغ لاکھنؤ سے شائع کیا۔

حضرت مولانا بلال عبد الحی حسینی ندوی

(نظم ندوة لعلماء كضنو)

مدير مستول شمس الحَقْنَدُوِي

٠ معاون مدير ٠

— ٢٠ —

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی

قارئین محترم! سعیاں حکایت کا سالانہ زر تعاون ذیل میں دے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMFER F HAYAT

A/c No. 10863759868 (Current A/c.)

FSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

جمعیت انسانی که با ساخت و ساز می‌کند، کارگرانی که با خود را نگهداری می‌کنند

س ہو جائے سے بعد دسرے ہوں ب瑞ا ایں اس پر ریداری بڑے سا ہا اخلاق سرو و رو دیں۔

• تریکل زر اور خط و کتابت کا یتھہ •

TAMEER-E-HAVAT

TANVEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph : 0522 27

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.: 0522-21
website : <http://tameerehayat.com> - email : tameer1963@gmail.com

مضامون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

زنگنه کیمیا - زنگنه شرکت صنایع شیمیایی و نفتی

رخواں - 400/- ی تکارہ - 20/- ایسیا، یورپ، امریکا و اسریل کے سے۔

بھر تھیں اور دفتر تھیں جیسے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پڑھ پرروانہ کریں۔ چیک سے بھی جانے والی رقم صرف

All CBS Payable Multicity (جوڑ کر چیک دیں) میں بھروسہ دیگر رہا۔

این خبر که خواستار خود را که میتواند خود را بخواهد

ڈرلپن پرانا خریداری ببر صورتھیں، موبائل یا ٹون ببر اور پتے کے ساتھ پن لوڈھی تھیں۔ (بجھ میر حیات)

اب اس کانگہبیان، اگر ہے تو خدا ہے

خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم

امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
پر دلیں میں وہ آج ، غریب الغراء ہے
خود آج وہ ، مہمان سرائے فقراء ہے
اب اس کی مجالس میں نہ بتی، نہ دیا ہے
اب اس کا نگہبیان، اگر ہے تو خدا ہے
اس دین میں خود تفرقہ، اب آکے پڑا ہے
اس دین میں خود بھائی سے، اب بھائی جدا ہے
اب جنگ و جدل چار طرف، اس میں بپا ہے
اس دین میں اب فقر ہے باقی، نہ غنا ہے
وہ عرضہ تیغ جہلاء و سفہاء ہے
اب معرض اس دین پہ، ہر ہرزہ سرا ہے
دینداروں میں پر آب ہے باقی، نہ صفا ہے
منعم ہے سو مغرور ہے، مفلس سو گدا ہے
یہ مجلسِ اعیان ہے، وہ بزم شرفا ہے
پیاروں میں محبت ہے، نہ یاروں میں وفا ہے
باتوں سے ٹپکتا تری، اب صاف گلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجوہ کو، کہ ہے کون مخاطب
یاں جتبشِ لب، خارج از آہنگ خطاب ہے



اے خاصہ خاصانِ رسول ! وقتِ دعا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
جس دین کے مدعو تھے کبھی ، سیزر و کسری
وہ دین ، ہوتی بزمِ جہاں جس سے چراغاں
جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہبیان
جو تفرقہ اقوام کے، آیا تھا مٹانے
جس دین نے تھے، غیروں کے دل آکے ملائے
جو دین کہ ہمدرد بنتی نوعِ بشر تھا
جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر، غنا بھی
جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکماء کی
جس دین کی جلت سے، سب ادیان تھے مغلوب
ہے دین ترا اب بھی، وہی چشمہ صافی
علم ہے سو بے عقل ہے، جاہل ہے سو وحشی
یاں راگ ہے ون رات، تو وال رنگ و شب و روز
چھوٹوں میں اطاعت ہے، نہ شفقت ہے بڑوں میں
ہاں حالی گستاخ ! نہ بڑھ جد ادب سے

تعمیر حیات کی مسلسل اشاعت کے ساتھ (۶۰) سال مکمل

دل در دمند، فکر ارجمند اور زبانِ ہوشمند

محمد عمر الصدیق ندوی

اَحْمَدُ اللَّهُ تَعْمِيرُ حَيَاةً، کا وہ خاص شمارہ جو حضرت مولانا سید محمد راجح حسني ندویؒ کے سوانح، احوال و افکار اور ان کی سیرت کے اخلاق و کردار کا مرقع ہے، اس کا اجر ا مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن عظیٰ ندویؒ کے دستِ مبارک سے ۲۰ ستمبر ۲۰۲۳ء بروز بده بعد نماز عصر مہمان خانہ ندوۃ العلماء کے لان میں عمل میں آیا، مولانا مذکور نے اس مجلسِ رونمائی کی صدارت فرمائی، ساتھ میں مولانا سید بلاal عبدالحی حسني ندوی، مولانا جعفر مسعود حسني ندوی، ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی اور مولانا عبد العزیز بھٹکی ندوی بھی موجود تھے، شرکاء مجلس میں دارالعلوم کے گویات مام اساتذہ اور طلبہ بھی تھے، اس موقع پر حضرت مولاناؒ کے متعلق چند الفاظ اس مفہوم کے لئے کہ جس طرح ندوۃ العلماء جامعیت اور کاملیت کے معیار و مقصد کا نمونہ ہے، ہمارے مولانا رحمۃ اللہ علیہ گویا اسی ندوۃ العلماء کے تخلیل کا علمی پیکر تھے، دل چاہا کہ اس اجماں کی ذرا اور وضاحت کی کوشش کی جائے اور اس کے لیے جذبہ و خیال حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندویؒ کے سرچشمہ علم و عرفان سے حاصل کیا جائے۔

گزری ہوئی صدیوں اور تاریخ کے غبار میں او جھل ہوتے زمانوں کا معاملہ بھی عجیب ہے، یادوں کی سرگوشیوں کو یہ دور نہیں ہونے دیتا، یادیں خواہ وہ آڑی ترچھی لکیروں میں چھپی ہوں یا پھر وہ، غاروں اور جنگلوں میں انسان کے وجود کا پتہ دینے والی ہوں یا پھر لکڑی، پتھر اور چڑڑے پر ایسے نقش کی صورت میں جن کو حرف و لفظ کا نام دیا جاسکتا ہو یا پھر ان کتابوں میں ہوں جن کے مضامین جذبوں کی زبان رکھتے ہیں یا پھر یہ یادیں گرفت سے باہر تحرک سایوں کی علامتوں میں کی شکل میں ہوں، یہ سب ابتداء سے اب تک انسان کی زندگی کا ذریعہ اظہار بنتے چلے آئے ہیں، یہی اظہار ماضی سے وابستہ ہو کر یاددا تا ہے کہ ماضی کی گردان سے کوئی بے نیاز نہیں ہو سکتا، فعل چاہے حال کا یا ہو یا مستقبل کا، کچھ دیری ہی کے لیے ماضی کو دیکھنے کے لیے رک کر سانس لینے پر مجبور ہے۔

اس تمہید سے غرض یہ ہے کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے بار بار ماضی کے درپیوں کو کھولا، ایک بار دیکھا کہ اسی ہندوستان میں جہاں صدیوں اسلام کی باوصیا چلتی رہی، وہاں ایک دور ایسا بھی آیا کہ اخلاقی و انسانی علوم اور تہذیب و ثقافت پر ایسی یلغار ہوئی کہ دنیا کے سب سے کامل نظام کی موت و زیست کا سوال پیدا ہو گیا، نئے نظام نے نئے فتنے اور نئی تحریکیں برپا کیں، قلب و روح کی حاکمیت کی جگہ عقل و خرد کی مکومی ایسی عام ہوئی کہ نبوت جیسے بلند ترین مقام عقل و عشق پر کمندیں ڈالی جانے لگیں، کچھ بد نصیب تو دعوا نے نبوت بھی کر بیٹھے، انسانی زندگی کا ہر شعبہ مادہ پرستی کی زد میں اس طرح آیا کہ اس نے نئے فکر و نظر کے سارے سوتے ہی خشک کر دیے، دیکھنے والے کہہ اٹھے کہ انسانیت کا یہ گلشنِ خزان رسیدہ اور بے برگ و بار ہو گیا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں: سخت اضطراب و انتشار، بیکسی اور کسپری کا دور تھا، ایسے میں مردانہ کارکی کی عین قرین یقین

ہے لیکن اس زوال اور اضلال کے عالم میں ہوا کیا؟ اس کے جواب سے پہلے یہ سوال بھی کہ ماضی کی اس کہانی نے کیا خود کو دہرا یا نہیں؟ حضرت مولانا نے جس ماحول کی تصور کی، کیا آج وہی منظر سامنے نہیں ہے؟ اگر جواب میں اثبات میں ہے تو پھر دیکھا چاہیے کہ تب کیا ہوا تھا؟ کیسے کیسے مردان کار، ماہرین فن، اصحاب تصنیف و تالیف، اہل فکر و نظر اور صاحبانِ دل یعنی الگ الگ صلاحیتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ایک ساتھ کس طرح جمع ہو گئے اور جامعیت و توازن کا خوبصورت ترین گلددستہ بن گئے۔

یہ دراصل وہ عطیہ یا نعمت الہی تھی جس نے حقیقت پسندی، عملیت، زمانہ کی نفس شناسی، خطرات سے آگاہی، قلب کی کشادگی، نظر کی وسعت، مل پیٹھ کر کام کرنے کی صلاحیت، ذوق و مزانج کے اختلاف کے باوجود حصول مقصد کے لیے اشتراک و تعاون سے آراستہ امت کے لیے ایک ایک سوچات ندوۃ العلماء کے نام سے عطا کر دی۔

علماء کی یہ انجمن سیاسی و تہذیبی زوال کی پستیوں میں جس طرح عروج کی نئی بنیاد بنی، اس کو دیکھنے کے لیے نیت بھی باوضو ہو کر کی جانی چاہیے بقول حضرت مولا نارحمۃ اللہ علیہ: متقاضا صفات و مکالات بالکل مختلف اور یکسر جدا، اس انجمن اس طرح جمع اور پہلو بہ پہلو ضوگن ہوئے کہ ان کو دیکھنے اور ان کے سوانح کا مطالعہ کرنے والوں کی نگاہ کی ہمہ گیری کے لیے یہ مستقل ایک امتحان بھی ہو گیا۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ ایک بار پھر ہمارا حال ہمارے ماضی کو دہرانے والا ہو گیا، جن درپیوں نے حضرت مولانا نے نہایت تکلیف وہ مناظر دیکھے تھے، آج بھی اگر کوئی بھی دریچہ کھولا جائے تو وہ منظر زیادہ بدلا نہیں نظر آئے گا، معاملہ اگر یہی ہے اور واقعی یہی ہے تو ندوہ کو دیکھنے کے لیے نگہ کی جو گیری کا پھر سے امتحان بھی ہے، دل چاہتا ہے کہ ندوہ کے بانیوں اور معماروں کو ایک بار اور تلاش کیا جائے، ان علماء کی آوازوں کو آوازدی جائے جو ایک صدی قبل بر صغیر کے گوشہ گوشہ میں ندوہ کی اذان دیتی تھیں جو امت کو بلاتی تھیں کہ باہمی اتحاد کی طرف آؤ، بیجا مخالفتوں سے بازاً آؤ، تعلیم کو زیادہ مفید اور کار آمد بناؤ، اور ہر قسم کی دینی و سیاسی کشکش سے رہائی پاؤ، آؤ اسلام کے پیام کی اشاعت کی طرف اور ہر انسان کو دین کا تحفہ پیش کرنے کی طرف، یہ اذان کسی ایسی نماز کے لیے نہیں تھی جو مختلف فرقوں کے حرکات و سکنات کا مجنون مرکب ہو بلکہ یہ دین خالص کے لیے دل کی پکارتی۔

ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گزرنے کے بعد ندوہ کے اسی پیغام کو زیادہ موثر، زیادہ منظم اور زیادہ دردمندی سے پیش کرنے کا تقاضہ ہے اور اس وقت کو یاد کرنے کی بھی ضرورت ہے جب نہ ہاتھوں میں تیر تھانہ کمان، پھر بھی اعتراض تھا کہ:

ایں سادگی اوست کہ بسمل دو جہاں است

”تعمیر حیات“، اس شمارہ کے ساتھ اپنے ۲۱ رویں سال کا آغاز کرنے تک اسی آہنگ و اسلوب، طرز نگارش و انداز بیان اور معانی و افکار کی عملی دعوت دیتا آرہا ہے، جس کا حامل ندوہ کے اسلاف کا قلم صدق رقم رہا ہے، اس کی سرپرستی ابتداء سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے ۷۳ رسال تک انجام دی، ان کے بعد ۲۰۰۰ء سے ان کے جانشیں حضرت مولانا سید محمد رابع حسni ندویؒ سرپرستی کے فرائض انجام دیتے رہے، اور اب الحمد للہ موجودہ ناظم ندوۃ العلماء جناب مولانا بلال عبدالحیؒ حسni ندویؒ مظلہ کی سرپرستی میں مخعمل ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اس سے مسلکِ توسط و اعتدال کی خدمت لیتارہے، اور ہر طرح کے شروع سے محفوظ رکھے، آمین۔



صحت مندمعاشرہ کے تین ستون

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

بھی صدقہ ہے، راستہ سے کاشاہدا بینا بھی صدقہ ہے، صدقہ کی سیکڑوں فتمیں ہیں، ایک صدقہ کہہ دیا اس لیے کہ یہ سب پر حاوی ہے، یعنی خیر سگالی کا جذبہ، خیر خواہی اور مدد کا جذبہ، اس کے بغیر کوئی معاشرہ، کوئی اجتماعی زندگی اول تو وجود میں نہیں آسکتی اور اگر آئے تو رہ نہیں سکتی، اور پھر معروف ”اوَّلُ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ“ یہ قرآن ہی کہہ سکتا تھا، یہ آیت بھی مجھہ ہے، پورا تمدن انسانی، پورا معاشرہ انسانی اسی پر قائم ہے، صدقہ معروف، اصلاح بین الناس، آج ہر جگہ آپ دیکھیں گے کہ اس کے خلاف ہو رہا ہے، کہیں صدقہ کا دروازہ بند ہے، تو کہیں معروف کا دروازہ بند ہے، تو کہیں دونوں چیزیں ہیں، لیکن اصلاح بین الناس کا دروازہ بند ہے، بگاڑنے والے، لڑنے والے پچاس اور ملانے والا ایک، مجھے الحمد للہ تجسس کی عادت نہیں کہ میں یہاں کے لوگوں سے پوچھتا کہ آپ کے یہاں کیا کمزوریاں ہیں، یا مجھے وہاں تقریر کرنا ہے مجھے بتا دیجیے تاکہ انھیں دکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھوں، یہ طریقہ مصلحین کا بھی نہیں ہے، اور جو دین کا کام کریں، ان کا بھی نہیں ہے، ستر، پردہ پوشی اللہ کی صفت اور مومن کے اخلاق ہیں، مجھے نہ تفصیل معلوم ہے، نہ اجہائی طور پر کچھ علم ہے، لیکن ہرستی میں اسی کا اندر یہ شیر ہوتا ہے، کئی مقامات پر اسی کی طرف توجہ دلائی، آج یہاں بھی یہی کہتا ہوں کہ ان تین چیزوں کا خیال رکھئے صدقہ، معروف، اصلاح بین الناس۔

چوتی شرط اللہ نے یہ لگائی ہے، اس کا رخیر میں نیت ہوئی چاہیے رضاۓ الہی کی ”وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ إِنْتِغَاءً مَرْضَاتِ اللَّهِ“ ایک اچھا عمل، سیاسی اغراض سے بھی ہو سکتا ہے، تمدنی اور مادی

مولانا محمد ایاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، چور وہیں آتا ہے جہاں ما یہوتی ہے، تو جو جتنا اوچا چوتا ہے، اسی پر شیطان حملہ کرتا ہے، تو یہ سادات، شیوخ صدیقی، فاروقی، انصاری، قریشی اور ان کی مختلف شاخیں عثمانی، علوی، عباسی جہاں ہوتے ہیں، ان میں شیطان بہت کام یاب ہو جاتا ہے، اس لیے کہ ان کو ایک دوسرے سے مکدر کرنے اور شاکی بنانے کا کام دوسروں کے مقابلہ میں آسان ہوتا ہے، ان کی حیثیت، حیثیت عرفی بلند ہوتی ہے، کچھ ان کی توقعات ہوتی ہیں، کچھ ان کی عادتیں ہوتی ہیں، کچھ وہ اپنا حق سمجھتے ہیں، شیطان اسی راستہ سے آتا ہے، دیکھو فلاں نے تمہیں سلام ٹھیک سے نہیں کیا، وہ حق سمجھتے ہیں، مالی حالت کچھ کمزور ہو گئی ہے، اب وہ اس طرح جھک کر سلام نہیں کرتے، اب دل صاف نہیں ہے، ہمارے خاندان میں بھی ایسے جھگڑے ہو چکے ہیں کہ شادی میں نہیں ملتے تھے، غمی میں ملتے تھے، یہ ایک ذرا سی شرافت کی بات تھی، بہت دونوں تک قصہ چلا پھر اللہ نے صلح و محبت کی فضایدا کر دی، یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ یہ واقعی ہر جگہ مشترک ہیں، صدقہ، معروف، اصلاح بین الناس، ہر مقام کو ان کی ضرورت ہے، جہاں صدقہ بند ہو جائے، محبت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، نہس کر بولنا بھی صدقہ ہے، میٹھی زبان رکھنا اور خوش کلامی بھی صدقہ ہے، اگر کسی کا کوڑا گر جائے، اور وہ سواری پر ہو تو اٹھا کر اس کو دے دو یہ

”لَا خَيْرٌ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمُ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ“ [سورۃ النساء: ۱۱۳] ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں، ہاں (اس شخص کی مشورت اچھی ہو سکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات، یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔ آپ غور کریں گے تو یہ تین چیزیں ایسی ہیں، جن پر ایک صارخ معاشرہ قائم ہو سکتا ہے، وہ معاشرہ کے تین ستون ہیں، صدقہ، جب تک کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ عملی ہمدردی نہ ہوگی، آدمی کی مدد کا جذبہ سینے کے اندر کا فرمانہ ہوگا، اور وہ ایشارہ کرے گا، کوئی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا، ”أَوْ مَعْرُوفٍ“ معروف بھی قرآن مجید کا ایسا لفظ ہے کہ اس کا ترجمہ نہیں ہو سکتا یعنی معقول و مستحسن بات، جو چیز عرف میں داخل ہے، اور جس کو نظرت سیم رکھنے والے سب بالاتفاق اچھا کہتے ہیں، اس کا جو حکم ہے، اب ہر جگہ کا معروف الگ ہوگا، یہاں کا معروف یہاں کے لحاظ سے ہوگا ”أَوْ مَعْرُوفٍ“ کا معروف وہاں کے لحاظ سے ہوگا ”أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ“ عام طور پر قبیلوں، خاندانوں میں ”إِفْسَادِ ذاتِ الْبَيْنِ“ کا عام طور پر قبیلوں، خاندانوں میں ”إِفْسَادِ ذاتِ الْبَيْنِ“ کا مظہر نظر آتا ہے، یعنی آپس کے تعلقات کشیدہ ہیں، بستی بستی، گاؤں گاؤں، قبے قبے یہ بیماری پھیلی ہوئی ہے، خاص طور پر جہاں شرفا آباد ہیں۔

اسلام نے علم و تحقیق کی راہ کھوئی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رحمت نبوی کا ایک اہم ترین پہلو علم کی حوصلہ افزائی ہے، آپ جس سماج میں تشریف لائے وہاں لوگ اس بات کو سرمایہ افتخار سمجھتے تھے کہ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے، وہ بہت ہی فخر کے ساتھ اپنے "امی" ہونے کی بات کہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم و تعلم کی حوصلہ افزائی فرمائی اور علم کو بلا امتیاز تفریق ہر طبقہ کے لیے عام فرمایا، پھر آپ نے علم کے معاملہ میں دین اور دنیا کی کوئی تقسیم نہیں کی، بلکہ ہر وہ علم جو انسانیت کے لیے نفع بخش ہو، خدا سے اس کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا کہ علم و حکمت کی جوبات جہاں سے مل جائے، اس کی طرف ایسا لپٹنا چاہیے، جیسے انسان اپنی گم شدہ چیز کے لیے لپٹتا ہے: "الحکمة ضالة المومن" [ترمذی: ابواب اعلم، حدیث نمبر: ۲۲۸] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے بچوں کو بدر کے مشرک قیدیوں سے تعلیم دلائی اور مدینہ میں یہودیوں کی درسگاہ "بیت المدارس" میں تشریف لے گئے، جس سے علم کے باب میں آپ کی فراخ قلبی اور کشادہ چشمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس سے نہ صرف یہ کہ علم کا دور دورہ ہوا، بلکہ غیر سائنسی فکر کا غلبہ ہوا اور توہمات کی زنجیریں کٹیں، شرک چونکہ مخلوقات کو معبد کا درجہ دیتا ہے اور جو معبد ہو اس کی عظمت اور اس کا احترام تحقیق و تحسیں میں مانع بن جاتا ہے، اس لیے وہ علمی ترقی اور تحقیق و سائنس کے ارتقاء میں رکاوٹ بن جاتی ہے، تو حید چونکہ مخلوقات کے معبد ہونے کی نظری کرتی ہے، اس لیے کائنات کی تمام اشیاء پغور و فکر، بحث و تحقیق اور شخص و تحسیں کا راستہ کھلتا ہے اور انسان علم میں جتنا آگے بڑھتا جائے اور کائنات کے حقائق پر جو پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کو جس قدر اٹھاتا جائے وہ اسی قدر توہمات سے آزاد ہوتا جاتا ہے۔

پس اسلام نے علم و تحقیق کی راہ کھوئی، مخلوق کی مبالغہ آمیز عظمت دلوں سے نکالی اور اہام کا پرده چاک کیا، اسلام سے پہلے لوگ عورتوں کو، جانوروں میں گدھے کو، پرندوں میں الکو، نہیں میں شوال اور صفر کو دنوں میں چھارشنبہ کو منحوس تصور کرتے تھے، اور خود اپنے لکھے ہوئے پانسوں پر کامیابی اور ناکامی کی امیدیں قائم کرتے تھے، تحسیں کے سلسلے میں اور بھی بہت سے تصورات تھے، جو عربوں میں پائے جاتے تھے، ہندوستان وغیرہ میں آج بھی یہ تصور اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں پر بھی مسلط رہتا ہے، بلکہ خود یورپ میں بھی عام لوگ توہمات میں بیٹلا ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس توہم پرستی کی تردید فرمائی، اصولی طور پر اس بات کو واضح فرمایا کہ نفع و نقصان کسی مخلوق سے متعلق نہیں، بلکہ یہ حقائق کے ہاتھ میں ہے، اور جن جن باتوں کے بارے میں خس و بے برکتی کا تصور تھا، صراحت کے ساتھ ان کی تردید فرمائی۔

☆☆☆

اغراض سے بھی ہو سکتا ہے، یہ سب اغراض ہیں، لیکن یہاں اللہ نے فیصلہ کر دیا، "وَمَنْ يَفْعَلْ ذِلَّةً إِيَّاعَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِهِ أَجْرًا عَظِيمًا" جو اللہ کی رضا کے لیے کام کرے اس میں ثواب ہے، یہ نہیں کہ صاحب ہم کریں گے تو وہ بھی کرے گا، اور اچھا ہے کہ اچھی زندگی نہ رے گی، یہ نہیں، بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لیے۔

آپ لوگوں کو شکر کرنا چاہیے کہ الحمد للہ یہاں ابھی تک مسجدیں قائم ہیں، اور یہاں تبلیغی جماعتیں بھی آتی ہوں گی، اور یہاں سے لوگ بھی نکلتے ہیں، ہمارے عارف اللہ صاحب بھی ماشاء اللہ بڑی دور دور گئے باوجود اتنی کمزوری کے اور آئندہ کے لیے بھی دعوت دیتا ہوں کہ آپ ان دور اور بھوپال سے رابطہ رکھیں۔

مکاتب کا فظام

اپنے یہاں بچوں کی تعلیم کا بھی انتظام کریں، ہر مسجد کے ساتھ مکتب ہونا چاہیے، ہمارے بچپن میں بڑا اچھا رواج تھا کہ گھروں میں یہاں پڑھاتی تھیں، بڑی بوڑھیاں، یا بیوہ عورتیں جو پڑھی لکھی ہوتی تھیں، محلہ محلہ اس کا رواج تھا، بڑا فائدہ پہنچتا تھا، اکثر پچیاں آتی تھیں، اور بچے بھی آتے تھے، اس کو بھی زندہ کیجیے، اور باہر کی دنیا سے کیٹے نہیں، بزرگوں سے تعلق رکھنے، علماء کے مرکزوں میں جائیے، مدرسوں میں جائیے، اب اگر یہ بچے ہمارے یہاں ندوہ میں نہ جاتے تو کیا معلوم کیا بننے، لیکن اگر یہ سلسلہ بند ہو جائے، اور اپنے اس خول میں آپ بند ہو کر رہ جائیں، پھر ترقی نہیں ہو سکتی، ترقی اسی طرح ہوتی ہے کہ باہر سے روشنی، طاقت اور رہنمائی حاصل کی جائے۔

☆☆☆☆☆

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا،“

حضرت مولانا سید محمد رانح حنفی ندوی

رکھا، جس کی وجہ سے اسلامی ممالک آزاد ہونے کے باوجود سامراجی طاقت کے پابند اور دست نگر بنے رہے، مغربی ممالک ان پر اپنی اجارہ داری قائم رکھتے رہے، اور ان کمزور اقوام کو اپنے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور کرتے رہے، یورپ کے یہ طاقتوں سامراجی ممالک اسی جنگ عظیم کے بعد دودو گروہوں میں تقسیم ہوئے، دونوں گروہوں کی حکومتیں اپنی سابقہ حکوم اقوام کو اپنے سیاسی و تدریجی ذرائع سے اپنی مقصد برداری کے لیے جیسا چاہتیں استعمال کرتی رہیں، یہ صورت بر اجری رہی، حتیٰ کہ افغانستان کی قوم کو کچلنے کی کوشش میں روی بلک شکستہ ہوا اور اس طرح دو متوازی طاقتوں میں سے ایک طاقت کی جو کچھ بھی بالادستی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا، البتہ دوسری طاقت کو تھا عظیم طاقت رہ جانے کی وجہ سے دنیا پر تھا بالادستی بن گئی آج دنیا سے ”سپر پاور“ امریکہ کے نام سے جانتی ہے، آج پوری دنیا اس کے ماتحت ہے، اس کی چشم واپر و پر گردش کر رہی ہے، امریکہ جیسا چاہتا ہے اپنا حکم سب پر چلاتا ہے اور اپنے ذاتی مفادات اور اپنی پسند کی پالیسیوں کو چلاتا ہے دنیا کے جس خطے میں چاہتا ہے، اپنی مصلحتوں کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کرتا ہے، اس کے اس آمرانہ سلوک سے اس کے اندر کبر و غرور، خوت و سلطوت اور جاہلی محیت بھی ابھر آئی ہے، اور وہ دوسروں کے مفادات کو یکسر نظر انداز کرنے میں لگا ہے۔

ملت اسلامیہ روز اول سے ہی اپنے اصول و مبادی اور اپنی زندگی کے طور و طریق، اپنے دین سماوی سے اخذ کرتی رہی ہے، جس کی تعلیمات

مسلمانوں کے لیے دور حاضر ایک طرح سے خطرات کا دور نظر آ رہا ہے، ان پر چہار جانب سے دہشت گردی اور ظلم و تشدد کے اڑامات لگائے جا رہے ہیں، اور اسلام کو یہ کہہ کر بدنام کیا جا رہا ہے کہ وہ ظلم و بر بیت، سفا کی اور چنگیزی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل بر عکس ہے، اسلام کا بیجا تشدد اور سفا کی سے کوئی تعلق نہیں، اس کی تعلیمات اصلًا صلح و آشتی اور امن و سلامتی اور انسانیت نوازی کی فضاضیدا کرتی ہیں، اور روز اول ہی سے یہ بات اسلام کی فطرت میں داخل رہی ہے، اور اس کے علمبرداروں نے نمایاں طور پر ان صفات کا ثبوت دیا ہے، تاریخ اس کی گواہ ہے جہاں تک مسلمانوں کے ان واقعات کا تعلق ہے جن میں ان لوگوں کو ظلم و تشدد کا جاں نظر آتا ہے، دراصل وہ ان کے ساتھ ہونے والے واقعات کا رد عمل اور انتہائی کیفیت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جو ظلم کی وجہ سے ان میں اشتعال پیدا کر دیتے ہیں، پھر ان کے دل بے قابو ہو جاتے ہیں، اس لیے ان واقعات میں ان کا حقیقی سبب دیکھنا چاہیے، پچھلی دو صدیوں میں جب مسلمانوں کو سامراجی ظلم و زیادتی نے بہت پریشان کیا، ان کے ممالک پر یورپ کی سامراجی حکومتوں نے ظالمانہ قبضہ کر کے مال و جائداد کو چھین لیا، اور وہاں کے باشندوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تو مسلمانوں نے اس ظلم و بر بیت کا ہر طرح

طور کے زندگی کا خاص تصور قائم ہو جائے، اور حکومت و سیاست کا امریکی جدید نظام عوامِ الناس میں رانج ہو، اور اسی مصلحت سے یہ دیگر قسم کی کارروائیاں کی جائیں، اس حقیقت کا کوئی منکر نہیں کہ امریکہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی سرگرم دہشت پسند تظییموں اور ان اداروں سے چشم پوشی کر رہا ہے، جو نسل کشی کے لیے کوشش ہیں اور انسانیت کا خون بہاری ہیں، یوسینیا میں لاکھوں انسان اور چھپنیا میں لاکھوں مسلمان بر باد اور تباہ کردی یہ گئے اور نہایت بے درودی کے ساتھ مارے گئے، فلسطین میں اس کے اصل باشندے عرب مسلمان کس طرح مارے جا رہے ہیں لیکن ان بڑی طاقتلوں کی نظر میں اس کی اہمیت نہیں اور ان کو احتجاج کی اجازت نہیں، وہ اگر احتجاج کریں تو اس کا نام دہشت گردی ہے، لیکن ان مخصوص عوام کو تباہ کرنا دہشت گردی نہیں ہے، لیکن اس صورت حال میں بھی داعیانِ اسلام اور علمائے امت کے لیے مناسب بھی ہے کہ وہ حکمت و دانائی اور افہام و تفہیم کا موقف اختیار کریں، اور اپنوں اور غیروں دونوں کے سامنے اسلام کے اخلاقی پہلو کو واضح انداز میں پیش کریں اور اسلامی تعلیمات کا درس دیں، اور اس موقف کو بالکل اسی طرح عملی جامہ پہننا کیں جیسے انہوں نے سامراجیت، عیسائی مشتری اور ان مستشرقین کے حملہ کے بعد بہترین موقف اختیار کیا تھا، جنہوں نے حقائق کو بدلت کر اور تاریخ میں ملمع سازی کر کے اسلام کی غلط تصویر پیش کرنی چاہی تھی، یہ صرف عسکری مہم نہیں ہے بلکہ میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی فکری مہم بھی اس کے ساتھ نسلک ہے جو صرف فوجی کارروائی پر ہی اکتفانی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اسلامی زندگی کے تمام شعبوں کے اچھے پہلوؤں کو اپنا کر پیش کر رہے ہیں اور پورے

اٹھا رہے تھے، ان پر الزام کے لیے دلائل مہیا نہیں کر پا رہے ہیں اور محض اپنے الزام پر پوری قوم کو سزا دے رہے ہیں اور بے گناہ انسانوں کو ہلاک کر رہے ہیں، امریکہ کا یہ رویہ اتنا سخت ہے کہ جو دیگر ممالک اس کی رائے سے اتفاق نہیں کر رہے ہیں ان کو بھی وہ مجرم گردان رہا ہے۔

آج پوری دنیا کے مسلمان امریکہ کی نظر میں مجرم یا مجرموں کی پشت پناہی کرنے والے ہیں، امریکہ انبیاء و حکماء اور ڈرارہا ہے، اس کے پس پشت امریکہ کا صرف یہی مقصد ہے کہ وہاں کی حکومت پر ایسا خوف و دہشت طاری ہو جائے کہ وہ اس کو "سپرپاؤ" اور اپنا حاکم مان لیں، یہ صورت حال بہت پریشان کن ہے، ایسے وقت میں مسلم ممالک کے لیے صرف دو راستے ہیں یا تو امریکہ کی غلامی کو قبول کریں، یا اپنے ہزاروں افراد کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے تیار ہیں۔

امریکہ کا یہ غیر منصفانہ رویہ اور اس کی یہ انسانیت سوز پالیسی صرف ایک ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ دوسرے ممالک کو بھی ڈرارہا ہے اور اعلانیہ باخبر کر رہا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ بہت طویل ہو گی اور اس کے اثرات بھی دور رہیں گے، دوسرے ممالک بھی اس کے نشانہ پر ہیں اور مختلف تظییموں اداروں پر پابندی لگانے یا بالکلیہ ان کا خاتمه کرنے کو درست امر قرار دے رہا ہے، اس نے مختلف اشخاص اور اداروں کے بینک کھاتے مخدود کر دیے ہیں، اور جن ممالک میں یہ تنظیمیں اور ادارے متحرک و فعل ہیں ان کو امریکہ مجبور کر رہا ہے کہ وہ سخت سے سخت اقدامات کریں، یہ اقدامات صرف عسکری نہ ہوں بلکہ فکری، اعتقادی اور ثقافتی ہر اعتبار سے ہوں، بایں

انسانیت نوازی، سلامتی اور راہ استقامت، رشد و ہدایت اور صلاح و فلاح کے راستے کی رہنمائی کرتی ہیں، ان تعلیمات نے ان کے ماننے والوں کو انسانوں کا بھی خواہ، رہبر اور خیر طلب بنایا اور وہ اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مذہب اسلام اپنے ماننے والوں کے لیے یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ وہ ظلم و استبداد کا شکار ہوں، اور ذلیل و خوار ہو کر زندگی گزاریں اور دوسروں کے دستِ خوان کے ریزہ چیلز اور زلزلہ ربانے بنے ہیں۔

لہذا یہ بھی تاریخی حقیقت ہے، کہ جب بھی استبدادی طاقتلوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کارویہ اختیار کیا، ان کو مقهور و مغلوب بنایا، ان کی آزادی اور انسانی حقوق کو سلب کیا، اور قتل و غارت گری سے کام لیا، تو مسلمانوں نے اعلانیہ احتجاج کی، اور حکل کر اپنے حق کا مطالبہ کیا، اور چونکہ آمرانہ طاقتلوں کو احتجاج و مظاہرے بھلے نہیں معلوم ہوئے، اس لیے جب جب ایسا ہوا تو آمرانہ طاقتلوں نے اسے ناپسند کیا، بلکہ پروپیگنڈے کا سہارا لیتے ہوئے یہ الزام تراشا کہ دین اسلام جو تشدد، اشتعال و احتجاج کا داعی اور محرك ہے حالانکہ اللہ اور آخرت پر ایمان میں ان یہ جذبہ پیدا کرتا ہے، لہذا مذہب اسلام ان کی نظر میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بالکلیہ مذہب اسلام کا صفائیا کرنا چاہتے ہیں تاکہ غیرت و محیت کی وہ بنیاد ہی نہ رہے، جو اپنے جانے والوں میں جذبہ مقاومت و احتجاج پیدا کرتی ہے، چنانچہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پیٹا گن پر ہوئے حملہ کو انہوں نے اپنی مسلم دینی کی کارروائی کی بنیاد بنا یا اور اس کا الزام مسلمانوں اور عربوں پر لگایا کیونکہ وہ ظلم و استبداد کے خلاف آواز

کیا جاسکتا، اور پوری پوری قوم کو قتل کر ڈالا جائے تو یہ معاملہ کوئی بڑی اہمیت کا معاملہ نہیں ہے۔)۔ اور اردو شاعر کا کہنا ہے کہ:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا ایسے وقت مسلمانوں کو مناسب اور مقتضائے حال حکمت عملی اختیار کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا کرنی چاہیے اور اللہ کے وعدہ پر پوری طرح یقین کرنا چاہیے کہ اگر مسلمان ایمان کے مطابق زندگی اختیار کریں تو سر بلندی انہی کو ملتی ہے۔

☆☆☆☆☆

آج امریکہ نواز اسرائیلی حکومت فلسطین مسلمانوں پر بمباری کر رہی ہے، فلسطینیوں کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ اپنے علاقے کو ناپاک اسرائیلی تسلط سے پاک کرنا چاہتے ہیں اور اس کے تین ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں، جب کہ فلسطین مسلمان دفاع کے طور پر کسی ظالم اسرائیلی شخص پر حملہ کرتے ہیں یا اس کو قتل کرتے ہیں تو اسرائیلی فلسطینیوں کو ظالم و جابر اور دہشت گرد بنا کر پیش کرتا ہے۔ ایک عربی شاعر نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے:

قتل امریٰ فی غابة جريمة لا تغفر
وقتل شعب کامل قضية فيها نظر
(صرف ایک شخص کا قتل کسی سنستان جنگل میں ہو جائے تو اتنا بڑا جرم ہے کہ معاف نہیں

عام کو نشانہ بنانا کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عام اسلام کا یہ پورا خطہ اور علاقہ شروع فساد ظلم و تشدد اور دہشت و بربریت کی آماجگاہ ہے جب کہ حقیقت معنوں میں یہاں اسلام کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور اس سے پورے عالم کو وجود و بقاء حاصل ہے اور تعلیمات اسلام کو بہت فروع مل رہا ہے۔
یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ موجودہ تحریب کار میڈیا اور باطل مادی طاقتلوں کے پاس وسائل کا انبار لگا ہوا ہے اور صلح و آشتی کے علمبرداروں کے پاس اتنی تعداد میں وسائل مہیا نہیں ہیں لیکن کبھی بھی ایک چراغ میں گھٹھاؤپ تاریکی کے پر دے کو چاک کر دیتی ہے اور ایک شمع ہی پوری فضائیں اجالا پیدا کر دیتی ہے۔

ایمان اور سچائی لازم ملزوم

مولانا سید عبداللہ حسنسی ندوی

درحقیقت ایمان اور سچائی لازم ملزوم ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی غیر منہب کا شخص بھی سجادوں اور سچائی سے بھی نیت والا ہو اور اس کے بعد وہ صحیح طور پر ایمان کی سچائی سے آشنا ہو جائے تو ضرور داخل اسلام ہو جاتا ہے، کیونکہ روشنی کی روشنی سے کبھی لڑائی نہیں ہوتی، یعنی اگر کہیں ایک بلب لگا ہو اور دوسرا بھی لگا دیا جائے تو مزید روشنی پھیلے گی نہ کہ ختم ہو جائے گی، لیکن اگر کرہ میں اندھیرا ہے اور وہاں بلب لگا دیا جائے تو اندھیرا اور ہو جائے گا، معلوم ہو اور روشنی کی روشنی سے لڑائی نہیں ہو سکتی، بلکہ روشنی کی تاریکی سے، ظلم کی انصاف سے لڑائی ہوتی ہے، انصاف کی لڑائی انصاف سے نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں دوستی ہے، لڑائی جبھی ہوتی ہے جب آپس میں بلکروہ ہو، اسی لیے اگر کوئی سجادوں، سچی زبان لے کر آئے پھر اسلام کا چیز دیکھ لے تو فوراً ہم آہنگ ہو جاتا ہے، ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم پر سچائی لازم ہے، اور سچائی نیکی کی طرف ہدایت کرتی ہے، اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، آدمی برا بر سچ بولتا رہتا ہے، اور سچائی کو ہی اختیار کر لیتا ہے، تو وہ مقام صدقہ حقیقت کو پہنچ جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں صدقیں لکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے بچنا لازم ہے، کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کی راہ پر ڈال دیتی ہے، اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچادیتی ہے، اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا: ”سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے“، پھر سچائی اور نیکی دونوں ہی آدمی کو جنت میں لے جاتی ہیں، لیکن اگر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس کا وہ جھوٹ انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اس لیے کہ سچا آدمی جو بھی کہتا ہے ایک مرتبہ کہہ دیتا ہے اور عمر بھر اس کا وہی قول رہتا ہے، اور جھوٹ آدمی اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لیے ہر وقت اپنا قول بدل کر پیش کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمہ وقت ایک الجھمن میں گرفتار رہتا ہے اور جھوٹ بولتے بولتے ہمہ جنہم رسید کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا حدیث میں فرمایا گیا کہ انسان کو سچ بولنے کی عادت ڈالتے رہنا چاہیے، یعنی انسان کو ہر اس جیز سے بچنا چاہیے جو آدمی کو مبالغہ اور بے جا تعریف پر آمادہ کرے، کیونکہ یہ سب جھوٹ کی اقسام ہیں۔

☆☆☆

حق و باطل

شہمنانِ اسلام اور حاملینِ دین

مولاناڈا کٹر سعید الرحمن عظمی ندوی

غیرے اور آوازیں ہر چہار جانب سے شائی دے رہی ہیں، لیکن اس کی قطعیت میں کوئی تجھ نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا، باطل طائفوں کا تو حال یہ ہے کہ اسلامی شاعر پر یلغار کرنے کی جان توڑ کوشش کر رہی ہیں، جب ان کا کوئی حرہ بنا کام

ہوتا دکھائی دیتا ہے تو دوسرے نئے خطرناک ہتھیاروں کے ذریعہ ازسرنو یلغار شروع کر دیتی ہیں، اور مسلمانوں کو ان کے سرچشمہ حیوال سے دور رکھنے میں کوئی دلیقت فروگزداشت نہیں کرتی، لیکن جس قدر ان کی سازشیں رو بعمل آتی ہیں، اسی قدر اسلام کی کرنیں پورے عالم کو بقعہ نور بناتی جا رہی ہیں۔

آج امریکہ و یورپ میں اسلام کے بارے میں جونا گفتہ پر صورت حال ہے وہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اعداء اسلام شریعت اسلامی کے مٹانے پر کمرستہ ہیں وہ اس اسلامی بیداری پر آہنی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں جو عالم و جاہل، غبی و ذہین، مالدار و غریب ہر ایک کو اسی سرکرتی جا رہی ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کی یہ اثر انگیزی اپنارنگ دکھا کر رہے گی، کیونکہ مذہب اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے، اور جو بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کا خواہاں ہوگا تو وہ قابلِ رد ہوگا اور آخرت میں اس کا سودا بڑے گھاٹے کا ہوگا۔

اس عملی تضاد کی اصل بنیاد سامانِ دنیا کے حصول کی حرص و طمع ہے، اور جب مال و دولت کا حصول ہی صحیح نظر ہوتا ہے تو اسکے پس پر وہ کوئی اخروی تصور نہیں ہوتا، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر وہ کوشش جو متعال دنیا کے حصول کے لیے ہی کی جائے گی، اخروی زندگی میں وہ کبھی بھی سود مند نہیں ہوگی، بلکہ اس کا انجام بہت برا ہوگا۔

خوبخبری دی گئی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ، ثُمَّ أَسْتَقَمُوا تَنْزَلٌ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ الْأَتَّخَافُوا وَلَا تَحْزُنُوا، وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ، نَحْنُ أُولَيَاؤْكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ، وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشَتَّهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَعُونَ [سورة فصلت: ۳۰-۳۱]

(جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر مستقیم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندر یہ کرو اور نہ رُخ کرو اور تم جنت کی بشارت حاصل کرو، جس کا تم سے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کیا جایا کرتا تھا، اور ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور اس کے دامن سے وابستہ ہوتے رہیں گے، اور وہ اپنی متاع گم شدہ کو اس کے دائیٰ اصولوں میں پاتے رہیں گے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، کتنے ایسے خاندان اور گھرانے ہیں جو دو حشمت و درندگی اور ظلم و چیزہ دستی کے دام میں آنے والے تھے، لیکن اسلام نے ان پر ایمان کی بارش کی، جس سے ان کے دل کی دنیا بدلتی، حیاتِ نوجیسی عظیم دولت ان کے ہاتھ آگئی، اور پورا خاندان مایوی و قوتیطیت کے دیزیز پرده کو چاک کرتے ہوئے ایمان و لیقین کے چمن پر بہار میں پہونچ گیا جہاں سکون و وقار کی بوچھار تھی اور ایمان و استقامت کی قدمیں روشن تھیں، قرآن کریم اور حدیث نبوی میں ایمان و ایقان پر مجھے رہنے والے لوگوں کے لیے جنت کی

قرآن کریم کی یہ بشارت بہت عظیم ہے، اس کی اہمیت کا صحیح ادراک اسی مردمومن کو ہوگا جس نے قرآن کی روشنی میں دین اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی حتی الوسع کوشش کی ہو، اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں اس کے اصول و ضوابط کو برپتا ہو، اسی ایمانی حقیقت سے سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں، مشکل سے مشکل قفل کھل سکتے ہیں، آج یہی ایمانی حقیقت تہذیبی چیلنجوں سے بر سر پیکار ہے، مادی و لفربیاں اور خوبصورت

برپا ہو جائے گا۔)

اسی وجہ سے انہوں نے پختہ عزم کر لیا ہے کہ اسلام کو کسی لمحے پہنچنے نہیں دینا ہے، اور اس کی تابناک تاریخ کے اعادہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، کیونکہ اس کی تاریخ ایمان و یقین، زہد و تقویٰ، عفت و پاک دامنی، تعلق مع اللہ، تعلیمات اسلام پر عمل اور اللہ کی مدد پر اعتاد سے آراستہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ مخالفین مسلمانوں کو عالمی سطح پر بدنام کرنے کے لیے ان پر دہشت گردی کا لیبل لگا رہے ہیں، اور اس بات کو ایک مستقل تہذیبی فلسفہ کا روپ دے رہے ہیں، جس کا نشانہ عقیدہ اسلام کے حاطین ہیں، اسی پرنسپل نہیں بلکہ پوری دنیا کو یہ باور کر رہے ہیں کہ مسلمان عالمی ترقی، خواہ وہ اقتصادی ہو یا سائنسی، ٹکنیکی ہو یا معاشرتی، ہر ایک کی راہ میں وہ سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں، اس فلسفہ کو عالمی مسئلہ بنانے کے لیے انہوں نے اپنے جان و مال کی قربانی دی، اور ہر ممکن طریقے سے اس کے لیے ذرا لئے مہیا کر لیے۔

بلاشبہ مسلمان پر فریب اصطلاحوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، اسلامی ممالک و حشیانہ کارروائیوں کے شکار ہیں، کیونکہ انہی کے اندر ہر قسم کی معدنیات اور نیمنی ذخائر بھی ہیں، جب ان ممالک پر قبضہ ہو جائے گا تو وہ ذخائر خود بخود دست تصرف میں آ جائیں گے، اس سے یہودی منصوبہ بندی کی تینکیل عمل میں آئے گی اور متوں پہلے تیار کیا ہوا پروٹوکول عملی شکل اختیار کر لے گا، شیطان نے ان کے اعمال مزین کر کے ان کے سامنے رکھ دیے ہیں، اور ان کو صحیح راستہ سے ہٹا دیا ہے، حالانکہ وہ سمجھنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہیں۔

☆☆☆☆☆

تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی۔

امت مسلمہ کی موجودہ صورت حال بہت افسوسناک ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے بعض و عداوت، اور حسد و کینہ اس کے مزاج میں داخل ہو گیا ہے، مبادا کہیں یہی صورت اسکے منصب قیادت سے پچھے رہنے کا نتیجہ تو نہیں ہے، آج مسلمان ہر سطح پر پست ترین قوم نظر آتے ہیں اور یہ پسقی اسی خصوصیت سے دست بردار ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔ آج اولین ضرورت یہ ہے کہ وہ ان خصائص سے آراستہ ہوں جو ان کو حقیقی مسلمان بناتی ہیں، اور قیادت و سیادت کے منصب پر فائز ہو کر امت کی رہنمائی کافر یہی نجام دیں۔

داعیان اسلام اور مفکرین دین و ملت کی انٹھ کوششوں سے یہ تصور ہن میں آتا ہے کہ موجودہ اسلامی بیداری مسلمانوں کے کھوئے ہوئے منصب کے حصول کا راستہ ہموار کر رہی ہے، اور امت مسلمہ کو اعتدال پسند قوم کی حیثیت سے سابقہ مقام دلانے کے موقع فراہم کر رہی ہے، اور ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا، آنے والا دور اسلام اور امت مسلمہ کے نام سے جانا پہچانا جائے گا۔

اعدائے اسلام نے ممالک مغرب میں اسلامی بیداری کی بڑھتی ہمہ سے یہ محسوس کیا ہے کہ مسلمان بلاشبہ دنیا کے منظر نامہ پر جلد ہی آ جائیں گے، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر قیادت کی زمام ان کے ہاتھ چلی گئی تو ہمارا کیا حال ہو گا، انسانی شرافتیں پامال ہوں گی، زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِلَّا نَفَعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادًا
كَبِيرًا [سورة الانفال: آیت ۳-۷] (اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہو گا اور زبردست فساد کا فیصلہ فرمائے اور اس وقت تم دعا کرو گے اور

یہی منفی نظریہ اعدائے اسلام کے ذہنوں پر حاوی ہے، نہ انہیں حساب و کتاب کا خوف ہے اور نہ آخرت کی جوابد ہی کا ذر، اسی وجہ سے وہ جرام کے ارتکاب میں بڑے بے باک واقع ہوئے ہیں، قتل و غارت گری اور انسانی آبادی کو تہہ و بالا کر دینے کی دھمکیاں آئے دن سننے میں آتی ہیں، عالم اسلام خاص طور سے ان کی آنکھوں کا کائنات بنا ہوا ہے، ابھی افغانستان و عراق میں ان کی وحشیانہ حرکتوں کا مشاہدہ ہر خاص و عام نے کیا اور کرہا ہے اور ارض مقدس فلسطین ان کے انسانیت کش حملوں سے ہو یہاں ہے، لیکن بذریعہ میڈیا سرد جنگ کے ذریعہ لوگوں کے دماغوں کو دھونے

(BrainWashing) کی کوشش کی جا رہی ہے اور کبھی مسلمانوں کو دہشت گرد، کبھی انہما پسند، کبھی شدت پسند ثابت کیا جا رہا ہے، کبھی انہیں انسانی آبادی کے لئے ایک شدید خطرہ بتایا جا رہا ہے، جبکہ مسلمان امن و امان کے داعی، اور محبت و مودت کے علمبردار ہیں، یہ ایک ایسی بہترین امت ہیں جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے براپا کی گئی ہے، بھلائی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے، اور ذات واحد پر ایمان رکھتی ہے، جب بھی یہ امت ان خصوصیات سے دست بردار ہو گی، اور اللہ تعالیٰ کے اوپر سے اس کا ایمان جاتا رہے گا تو اللہ اس پر عذاب نازل فرمائے گا اور اس وقت اس کا تضرع و ابھٹال کچھ کام نہ دے گا، صحیح حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخدا جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم ضرور بھلائی کا حکم دیتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمائے اور اس وقت تم دعا کرو گے اور

قوت عمل اور قوت ارادی کی ضرورت

مولانا سید محمد واضح رشید حسین ندویؒ

غالب قوم رہے، بیمیشہ مارے مارے پھرے، دنیا میں کہیں انہیں عزت اور سر بلندی حاصل نہیں ہوئی، اگر مکر سے کسی کو فائدہ پہنچتا تو مکار آدمی بیمیشہ کامیاب ہوتا، بلکہ ایسا نہیں ہے، قرآن مجید کہتا ہے: "وَقَدْ مَكْرُوا مَكْرُهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ كَهتہا ہے: "وَقَدْ مَكْرُوا مَكْرُهُمْ لِتَنْزُولٍ مِنْهُ الْجِبَالُ" (اور انہوں نے اپنی چالیں چلیں اور ان کی سب چالیں اللہ کے یہاں ہیں اور وہ چالیں ایسی (غضب کی) تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی میں جاتے) تو مکر سے کچھ نہیں ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ برطانیہ بڑا مکار ہے، لیکن حال اس کا اب یہ ہے کہ وجود ہی اس کا خطرہ میں ہے، دولت عظی (Great Britain) کسی وقت بھی تین حصوں میں بٹ سکتی ہے، اس لیے کہ اسکاٹ لینڈ، آرٹرینڈ اور انگلینڈ میں ایسی کشمکش اور ایسی دشمنی ہے کہ اگر ایک علاقہ کا آدمی دوسرے علاقے میں جاتا ہے تو وہ اس علاقے کی طرف اپنی نسبت نہیں کرتا، کیونکہ پھر اس کے ساتھ مساوات کا معاملہ نہیں کیا جائے گا، یہ ہے اس ملک کی عصیت کا حال اور اس کی مالی حالت یہی ہے کہ اگر عرب اپنا سرمایہ واپس لے لیں، تو برطانیہ ڈھیر ہو جائے، مالی لحاظ سے وہ نہایت کمزور اور سیاسی اعتبار سے اس کی حالت دگر گوں ہے اور سماجی لحاظ سے اس میں جو اخلاقی خرابیاں ہیں وہ سب ہی پر عیاں ہیں، اس لیے کمر سے قومیں زیادہ دن تک کامیاب نہیں رہ سکتی، کچھ دن تک دھوکہ تو دے سکتی ہیں۔

اسرا ایل کے قیام کے بہت سے اسباب ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اس کو کچھ طاقتور ملکوں نے گود میں لے کر اور عربوں کے ہاتھ پیر باندھ کر ان

کے مکانات تباہ ہو گئے، اس وقت بھی سخت سردی کے موسم میں بعض لوگوں کے پاس رہنے کے لیے مکانات نہیں ہیں، ابھی عربی اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی کہ بعض لوگوں کو ٹھنڈی ہوا سے بچنے کے لیے کھڑکیوں اور دروازوں کو بند کرنے کے لیے دفتی اور کاغذ لگانے پڑ رہے ہیں، یہ وہ خبریں ہیں جو ہم تک پہنچتی ہی نہیں۔

اس وقت بھی خبریں آرہی ہیں کہ مسجد اقصیٰ کو خطرہ ہے، کوشش کی جا رہی ہے کہ مسجد اقصیٰ کو مسما کر کے پہلی سلیمانی کی تعمیر کی جائے، اس کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کی جا رہی ہیں، کبھی تحقیقات کے نام پر بچھ کھدائی کی جاتی ہے، کبھی مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے، ابھی خبریں آئیں کہ ان کو نماز پڑھنے سے روک دیا گیا اور اس میں یہودی زبردستی گھس گئے، اس سے پہلے آگ لگانے کی کوشش کی گئی، جس میں ہندوستان میں بڑا ہنگامہ ہوا تھا اور فسادات ہوئے تھے۔

مسجد اقصیٰ کا مسئلہ صرف عربوں کا مسئلہ نہیں، یہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے، فلسطین کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ عربوں کا مسئلہ ہے اور اس میں عربوں کی کوتا ہی کو بہت دخل ہے، کیونکہ اسرائیل کا قیام یوں ہی عمل میں نہیں آگیا، یہودی مکرو فریب ایک حقیقت ہے، لیکن اس مکرو فریب، عیاری و مکاری سے یہودی کوئی بڑا فائدہ نہیں اٹھا سکے، نہ وہ کبھی ساتھ دی جاتی ہیں، جب کہ بڑی تعداد میں ان

اسی بنیاد پر سارے انقلاب ہوئے۔ مصر کا انقلاب ۱۹۵۲ء میں ہوا، اس کی پہلی جو بنیاد تھی وہ یہی کہ ہمارے ساتھ خیانت کی تھی، ناکارہ اسلحہ کی وجہ سے ہم کو شکست ہوئی، ہم کو خراب اسلحہ دیے گئے، ہم کو لڑنے سے روکا گیا، ۱۹۵۸ء کی جنگ اور ۱۹۵۶ء کی لڑائی جب ہوئی، اور نہر سویز کو جمال عبد الناصر نے جب نیشلائز کیا تو تین ملکوں اسرائیل، فرانس اور برطانیہ نے مصر پر حملہ کیا اور مصر خطرہ میں پڑ گیا، حالانکہ مصر نے پورا مقابلہ کیا، جمال عبد الناصر اسی وجہ سے ہیر و (Hero) بنے، پھر روس نے مداخلت کی، امریکہ نے ساتھ دیا، امریکہ نے بھی کہا کہ تم لوگ اپنی فوجیں واپس لے جاؤ، روس نے اٹھی میٹم (Ultimatum) دیا تو مصر کو فوجیں واپس لے جانی پڑیں، اس جنگ میں اسرائیل فرانس اور برطانیہ کی مدد سے مصر کے اندر تک پہنچ گیا تھا، اور پھر اس نے بڑا قتل عام کیا اور بڑی طاقتیوں نے اس کا ساتھ دیا۔

اسی طرح ۱۹۶۷ء کا واقعہ بھی کھلا ہوا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حنفی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ ”فاستخفف قومہ فأطاعوه“ میں لکھا ہے کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عرب اور مصری فوجوں کے ساتھ کس طرح مذاق کیا گیا، مصری فوجیں جزیرہ نماۓ سینا کو پار کر رہی تھیں اتنے میں اسرائیل کے ہوائی جہاز آتے ہیں اور مصر کے ہوائی اڈوں کو تباہ کر کے چلے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے اتنی بھی فکر نہیں کی تھی کہ اپنی ہوائی فوجوں کو تیار رکھتے اور اپنے ہوائی اڈوں کی حفاظت کرتے، اور یہی چیز جمال عبد الناصر کے زوال کا سبب بنتی، لیکن یہی مصری فوج ۱۹۷۳ء میں

اسی طرح برطانیہ نے یہ کیا کہ جس ملک میں وہ رہا اپنی کھوٹی چھوڑ کر گیا، اور اس کھوٹی کے ذریعہ اس کو موقع ملتا رہا خل دینے کا اور ان قوموں میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ اس مکان کو پوری طرح سے آزاد کر سکیں یا کھوٹی نکال کر اس کے سر پر ٹھوک دیں اور اس کے بعد کہیں کہ خود بھی جاؤ اور اپنی کھوٹی لے جاؤ، جب یہ جرأت پیدا ہو جائے گی ان مسلمان ملکوں میں یا ان عرب ملکوں میں جو اسرائیل کو جھیل رہے ہیں تو اس وقت اسرائیل کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

۱۹۶۸ء کی جنگ کے بارے میں ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ اسرائیل کی کوئی فوجی طاقت نہیں تھی، اور چار پانچ عرب ملک اس کے مقابلہ پر تھے، لیکن یہ مقابلہ ظاہری تھا، عرب فوجوں کو حکم تھا نہ لڑنے کا، اور بعد میں جب کچھ اور مجاہدین جو آگے بڑھ گئے اور اسرائیل کے لیے خطرہ بن گئے تھے تو ان فوجیوں کو حکم دیا گیا فوری واپسی کا اور حکم عدوی کی صورت میں ان کے افسروں کو حکم تھا کہ ان کو شوٹ کر دیا جائے۔

۱۹۶۷ء کی جنگ کا بھی حال سن لجیے، دھوکہ دھوکہ، حکمرانوں نے دھوکہ دیا، فوجوں نے دھوکہ دیا، جزلوں نے دھوکہ دیا، کیونکہ جو جزل تھے وہ یا تو برطانیہ کے تھے یا فرانس کے تھے، یا یورپ کے مشیر تھے، ان کو لڑنے کے لیے مجرور کر دیا گیا، کتاب میں اس نے لکھا ہے کہ عرب تعداد میں زیادہ تھے، لیکن وہ شکست کھا گئے Because they were not united یہ الفاظ اس نے لکھے ہیں ہمیں جیسے ہوتی ہے کہ ایک غیر مسلم کیسے لکھتا ہے Because they were not united (وہ متحد نہیں تھے) وہ خائن تھے اور

کے کاندھ سے پر بھادیا اور اس کے بعد سے اب تک اس کی حفاظت کر رہے ہیں، اس طرح ہوا اسرائیل کا قیام۔ یہ تصور بہت غلط ہے کہ اسرائیل کو برتری حاصل ہے، مثالوں کے ذریعہ آپ کے سامنے یہ بات رکھی جاسکتی ہے، اب تک جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان کا آپ جائزہ لجیے، اسرائیل کو کامیابی وہیں ہوئی جہاں اس کے مقابلے نے کمزوری دکھائی، ایک انگریزی کتاب دیکھ رہے تھے، جس میں بہت سے ملکوں کے بارے میں تفصیلات مذکور ہیں، اس کا لکھنے والا مسلمان نہیں ہے، بلکہ اس کا لکھنے والا برطانیہ کا کوئی شخص ہے، بہت پرانی کتاب ہے، اس نے یہ لکھا ہے کہ ۱۹۶۸ء میں اسرائیل کا قیام کس طرح ہوا؟، اس نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی طاقت بہت کم تھی، جب فلسطین برطانیہ کے قبضہ میں تھا، اسی وقت اس نے طے کر لیا تھا کہ اسرائیل کا قیام یہاں ہو گا تاکہ عربوں پر کثربول رہے، یہ برطانیہ کی پالیسی رہی ہے کہ جہاں سے اس کو جانا پڑا وہاں وہ کوئی فتنہ چھوڑ کر گیا تاکہ اس کو بار بار آکر حل کرنے کا موقع ملے، جیسے ایک قصہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا مکان بیچا اور مکان خریدنے والے سے کہا کہ مکان تو پورا آپ کا ہے، لیکن اس میں فلاں کمرے میں ایک کھوٹی ہے وہ ہماری رہے گی، اور ہمیں اس کے استعمال کی پوری آزادی ہو گی، خریدنے والے نے سوچا کہ ایک کھوٹی کا معاملہ ہے کوئی حرج نہیں اور اجازت دے دی، اب وہ ہر دوسرے تیسرے دن آتا اور کہتا تھا کہ ہم اس کھوٹی کو دیکھنا چاہتے ہیں، ہم اس میں اپنا کوٹ ٹانگیں گے، آخر کار پر یہاں ہو کر خریدنے والا اس بات پر مجبور ہو گیا کہ وہ مکان واپس کر دے۔

چاہے جتنے ملک اس کی حفاظت کریں۔

جب مصر تن تھا جیت سکتا ہے، جب حزب اللہ جو شام میں چھوٹا سا گروپ ہے، اسرائیل کو گھٹنے لئے پر بجور کر سکتا ہے، جب غزہ کے گولیوں میں تپے ہوئے نوجوان اسرائیل کو ناکوں پھنے چھواسکتے ہیں تو اسرائیل کو گھیرے میں لیے ہوئے یہ چار پانچ عرب ممالک تو اسرائیل کا نام و نشان مٹاسکتے ہیں۔ اسرائیل کے ایک لیدر نے حال ہی میں یہ بیان دیا ہے کہ ہمیں ڈرامیزم سے نہیں، ڈرمیں ایمانی قوت سے ہے، ہمارے لیے خطرہ ہمیں اخوانی چاہدیں ہیں، جب ان کو موقع ملے گا یہ ہمارے لیے خطرہ بنیں گے، ہمارے لیے خطرہ ایتم برم یا فوجی طاقت نہیں۔

اس وقت ضرورت مسئلہ فلسطین سے واقف کرانے اور مسلمانوں میں شعور پیدا کرنے کی ہے، اس لیے کہ واقفیت کے بعد ہی شعور پیدا ہوتا ہے اور شعور کے بعد قوت عمل اور قوت ارادی پیدا ہوتی ہے۔



پار کیا بلکہ ان کے ملک کے اندر داخل ہوگئی، جب مصری فوج کو موقع ملا، اور جب ان میں ارادہ اور ایمانی جذبہ پیدا ہو گیا، تو اسی فوج نے جو اس سے پہلے شکست کھا چکی تھی، دشمن کو زیر کرنے میں کامیابی حاصل کر لی، اس کے بعد بیان میں حزب اللہ سے جو جنگ ہوئی، اور اس کے بعد ۲۰۰۹ء میں غزہ میں جو جنگ ہوئی، اسرائیل نے کہا تھا کہ ہم فیصلہ کن جنگ لڑ رہے ہیں، ہم جب تک فتح نہ کر لیں گے تب تک چھوٹیں گے نہیں، لیکن اسرائیل کو پیچھے ہٹنا پڑا، اور وہ علاقہ محفوظ ہے اور اب بھی محفوظ ہے، اسرائیل نے اس کا محاصہ کر رکھا ہے، پانی بند کر رکھا ہے، ساری پابندیوں اور دشواریوں کے باوجود فلسطینی قوم جس میں ایمانی جذبہ ہے، اس ایمانی جذبہ سے وہ مقابلہ کر رہی ہے، اس لیے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسرائیل اپنے مکر کی وجہ سے یا فوجی طاقت کی وجہ سے ناقابل تحریر ہے، قوت ایمانی، اور قوت ارادی جب بھی پیدا ہوگی ان شاء اللہ اس کا وجود مٹ جائے گا

باریف لائن کو پار کر کے اسرائیل کے اندر داخل ہو گئی اور اسرائیل نے امریکہ سے فریاد کی، یہ تاریخ کا واقعہ ہے، اگر آپ اس تاریخ کے واقعہ کو پڑھیں گے تو معلوم ہو گا کہ اس وقت اسرائیلی قائدین کی کیا حالت ہوئی، انہوں نے امریکہ سے فریاد کی کہ ہم کو بچائیے، ہم گئے، اسرائیل کے اندر مصری فوجیں داخل ہو چکی تھیں، اسرائیل اس وقت پورے خطرہ میں پڑ گیا تھا، چنانچہ امریکہ نے براہ راست مداخلت کی اور جہاں مصری فوج تھی وہاں امریکہ نے اپنی فوج اتار دی، اور اس طرح اس نے اسرائیل کی حفاظت کی۔

یہی مصری فوج جو ۱۹۶۷ء میں شکست سے دوچار ہوئی تھی اسی شکست خورده فوج نے ۱۰ اگر میں اللہ اکبر کا نفرہ لگایا اور نہر سویز کو پا کر لیا اور اسرائیل نے اپنی حفاظت کے لیے جوان تنظیم کیا (سد بنا یا) تھا، جسے اسرائیل ناقابل تحریر کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ اس دفاعی لائن کو کوئی پانہ نہیں کر سکتا، مصری فوج نے نہ صرف اس کو

ظالموں کی دنیا اور مظلوموں کی دنیا

مولانا ناظم اکٹر عبد اللہ عباس ندوی

آن دنیا پھر ایک نئی کروٹ لے رہی ہے، سو شلاست انقلاب ناکام ہو چکا ہے، کارل مارکس کا نظریہ سو شلاست، روس کی تاریخ کا غلغله، اسلامی تاریخ اور اسلام کے ایک روشن و تباہا مستقبل کے امکانات کے تناظر میں ایک معاشری و معاشرتی و سیاسی فریب ثابت ہو چکا ہے، یہودیوں کا ہر فریب دنیا پر کھل چکا ہے، یہی فریب ان کا محافظ تھا، عرب دنیا کے قلب میں اسرائیل کا سرطان اس کی مستقل تباہی کا اعلان کر رہا ہے، پوری افریقہ والی شیاء برادری بیدار ہو چکی ہے، کہا جاتا ہے کہ پہلی، دوسری اور تیسرا دنیا، میں کہتا ہوں کہ دنیا کی صرف دو ہیں، ایک ظالموں کی دنیا و سری مظلوموں کی، ایک کو آزادو ترقی یافتہ کہا جاتا ہے دوسری کو ترقی پذیر یا مل گئی؟ میں کہتا ہوں کہ آزادی کی اور اصل آزادی اور مکمل آزادی کی جنگ اب شروع ہوئی ہے، فلسطین میں انتفاضہ کی جنگ ایک نئے انقلاب کا اعلان ہے، انصاف، مساوات، اخوت، آزادی اور انسانی حقوق کے دعویٰ کرنے والوں کے مکروہ چہرے سب کو نظر آنے لگے ہیں، یہودیوں کی فریب ذہنی اور فساد انسانی کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے، عربوں کا خونہ بڑا ہے، وہ بے دردی سے قتل کیے جا رہے ہیں؛ لیکن عالمی اداروں کے بے ضمیر نہیں جاگ رہے ہیں، اقوام متحدہ اپنی ہی قراردادوں پر عمل نہیں کرو اسکی، بلکہ عالم اسلام کو سیکولرزم کے یہودی تصور کا درس دیا جا رہا ہے اور ملک میں یہودیوں کے سیاہ ایجنت فریب ذہنی اور فساد کے مبلغ بننے ہوئے ہیں۔



جذبہ ایمانی

”ہے جرمِ عیفی کی سزا مرگِ مفاجات“

مولانا عبدالحی حسینی ندوی

فلسطین یہودیوں کی میراث ہے، ان کو وہاں حصہ ملنا چاہیے، اس طرح آہستہ آہستہ یہودیوں کو وہاں آباد کیا جانے لگا، اس کے یورپ کو دو فائدے ہوئے: ایک تو ان کی شاطرانہ چالوں سے امن ہوا، دوسرے یہ کہ مصیبت مسلمانوں کے سر تھوپ دی گئی۔

۱۹۲۰ء میں باقاعدہ انگریزی ہائی کمشنر کے ذریعہ ان کی ملکی حکومت کا اعلان ہوا، اس کے بعد سے انگریزوں کی سر پرستی میں یہودیوں نے اپنے قدم مضبوط کرنے شروع کیے اور وہ دنیا کے مختلف ملکوں سے وہاں آ کر آباد ہونے لگے۔ جب ان کی تعداد بڑھی اور انہوں نے اپنے شاطرانہ مراج کے مطابق بال و پر انکا لئے شروع کیے تو مسلمانوں سے ان کی کشمکش شروع ہوئی پھر ۱۹۲۸ء سے خون ریز فسادات کا سلسہ چل پڑا۔

۱۹۲۸ء میں باقاعدہ حکومت اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا گیا اور یہودیوں نے کئی عرب علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔

۱۹۶۷ء کا دن مسلمانوں کے لیے روز بدن کر آیا، اس دن تمام مسلمانوں کو سوراٹی کا سامنا کرنا پڑا اور یہودی فوجیں بیت المقدس میں داخل ہو گئیں، آٹھ سو سال کے بعد یہ پہلا نامبارک دن تھا کہ مسلمان مسجدِ اقصیٰ میں جمعہ کی نماز ادا نہ کر سکے، وہ دن ہے اور آج کا دن، کشمکش جاری ہے اور اسرائیل کو بڑی طاقتوں کی طرف سے بھر پور پشت پناہی حاصل ہے۔

یہودیوں نے پہلے دن سے طے کر لیا تھا کہ اگر ہمیں دنیا پر حکومت کرنی ہے تو دو چیزوں پر پوری طرح قبضہ کرنا ہوگا؟ ایک اقتصادی نظام پر اور دوسرے ذرائع ابلاغ (Media) پر۔ اپنے

لیے تھوڑی زمین کا مطالبه کیا تھا تو سلطان نے زمین سے ایک چلتی مٹی لے کر کھا تھا کہ میں تو وہاں اس کے بقدر دینے کو بھی تیار نہیں لیکن جب:

خلافت پر زوال آیا تو پھر نام و نشان کب تک یورپ نے ایک بنی بنائی سازش کے تحت یہودیوں کو فلسطین میں بنانے کا کام شروع کیا۔ یہودیوں کی غیر انسانی حرکتوں نے پورے یورپ کو مصیبت میں ڈال رکھا تھا، ہتلر نے عاجز آ کر وہ انتہائی قدم اٹھایا تھا جس کی بنا پر وہ ضرب المثل ہو گیا۔ ان کی ظالمانہ اور شاطرانہ چالوں کو جانے کے لیے تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔ ہر ملک میں انہوں نے انسانیت سوزی کے لیے ایسی ایسی چالیں تھیں کہ عام انسانوں کے لیے وہ ناسور بن کر وہ گئے تھے اور یہ سب کچھ اتفاقی نہ تھا، ان کے

Protocol میں یہ سارے حقوق اصولی طور پر موجود ہیں، وہ خود کو خدا کی اولاد اور خدا کا محظوظ سمجھتے رہے ہیں اور باقی ساری دنیا ان کے نزدیک ان کی غلام ہے۔ ان کی سازش یہ تھی کہ غیر یہودیوں کو ہر لحاظ سے ایسا پست کر دیا جائے کہ دنیا ان کی غلامی پر مجبور ہو جائے۔ یہ ایک پورا پلان (Plan) تھا جس کو پورا کرنے کے لیے وہ ساری صلاحیتیں صرف کر رہے تھے اور آج بھی وہ اس میں مصروف عمل ہیں۔

یورپ کو ان سے چھکارا حاصل کرنے کی کوئی تدبیر نہ سوچی تھی تو اس نے یہ باور کرایا کہ

عامی منظر نامے پر مسلمانوں کے زوال کے بعد سے مسلمان مختلف مسائل سے ہمیشہ دو چار رہے ہیں۔ یہ مسائل مختلف ملکوں میں مسلمانوں کو پیش آئے ہیں اور مختلف زمانوں میں مسلمانوں کو ان سے سابقہ پڑا ہے لیکن مسئلہ فلسطین ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے اثرات عامی بھی رہے ہیں اور ہمہ گیر بھی اور پوری اسلامی دنیا اس کی کسک محسوس کرتی رہی ہے اور شاید ہی کوئی بد قسمت مسلمان ایسا ہو گا جس کے دل میں اس کی چھین نہ ہو۔ مسجدِ اقصیٰ مختلف پیغمبروں کی یادگار رہی ہے۔

مسلمانوں کے لیے اس کو قبلہ اول کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ معراج کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی منزل وہی تھی، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی تھی۔ اس سرزی میں کے بارے میں قرآن کریم نے سرپا برکت ہونے کی گواہی دی ہے۔ مسلمانوں کی اس سے جذباتی والی تسلی ایک فطری چیز ہے۔

اسلامی تاریخ کا وہ دن بڑا نامبارک تھا جس دن ترک ناداں نے خلافت کی قباقاک کی تھی۔

اس کے بعد مسلمان تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئے، رہی سہی سا کھ بھی جاتی رہی، اسی دن سے قبلہ اول پر صہیونی پنج گڑ نے شروع ہو گئے تھے۔

ایک دن وہ بھی تھا کہ جب چند یہودی سلطان عبدالحمید کے پاس سفارش لے کر حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے فلسطین میں رہائش کے

حاصل نہیں، ایک قیدی کو بھی کھانے پینے اور دوا علاج کی سہولت حاصل ہوتی ہے لیکن غزہ کے قیدیوں کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، ہر طرف سے ان کو گھیر دیا گیا ہے، اسرائیل کے جاسوسی طیارے مستقل نگرانی کرتے ہی رہتے ہیں۔

ابھی جو تازہ صورت حال ہے، وہ روغنی کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے، وہ ہزار کے قریب شہید ہو چکے جن میں پانچ ہزار معصوم بچے ہیں، لاشیں بکھری پڑی ہیں، اپتاول اور اسکلوں کو تباہ کر دیا گیا ہے، پینے کے پانی کو لوگ ترس رہے ہیں، مسجدیں، مدرسے، اپتاول اور یونیورسٹیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں، صہیونی نظام کی داستانیں چپ چپ پر دکھائی دیتی ہیں۔

لیکن انسانیت دم توڑ رہی ہے، آنکھوں کا پانی مرچ کا ہے، انسانی حقوق کی عالمی تنظیمیں آہنی شکنجبوں میں ہیں، آزادی کا نعرہ لگانے والے انسانوں کو غلامی کے غار میں ڈھکلینے کے لیے کمر بستہ ہیں، کسی کے منہ میں زبان نہیں جو کھولے اور اگر کھولے بھی تو سننے والا کون ہے اور پہنچانے والا کون ہے، میڈیا کس کے ہاتھ میں ہے:

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات مگر یہ ہوا کیسے؟! جن لوگوں کو دینے کے لیے پیدا کیا گیا تھا، آج وہ کیوں دوسروں کے سامنے کاسہ گدائی لیے کھڑے ہیں؟ جو دنیا کی کل آبادی کا چوتھائی کہے جاتے ہیں، آج وہ دنیا کے منظر نامے پر صفر کیوں ہیں؟ جنہوں نے دنیا کو جہالت و درندگی سے نکال کر علم و ہنر سے بھر دیا تھا، جنہوں نے انسانوں کو انسانیت کا سبق پڑھایا تھا اور انسان کی طرح جینا سکھایا تھا، آج دنیا میں وہ خوار کیوں ہو رہے ہیں؟ اس کا جواب اسلامی

مطابق سولی پر چڑھانے والے وہ ہیں، عیسائیوں کے ساتھ ان کی طویل طویل خوب ریز لڑائیوں کی داستانیں تاریخ میں موجود ہیں۔ وہ کسی کے ہوئے اور نہ ہوں گے، اپنے فائدہ کے لیے ہزاروں کی جان لے لیتا بلکہ ملکوں کو تباہ کر دینا ان کے لیے معمولی بات ہے۔

ایسی صورت حال میں اگرچہ وہ اس وقت مسلمانوں سے بر سر پیکار ہیں لیکن ہر ایک کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، قبل اس کے کہ اسرائیل اس کی مجبوری بن جائے پھر کچھ بنائے نہ بنے۔

اسرائیل امریکہ کی مجبوری ہے اور امریکہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے، اس لیے بہت سے ملک اسرائیل کی ہمہ موائی پر مجبور ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسی کے گھر پر زبردستی چند کر لے اور جب گھر کا مالک اپنی جگہ کا مطالبہ کرے تو اس سے وہ معاملہ کیا جائے جیسے وہ کسی دوسرے کے گھر کا مطالبہ کر رہا ہو۔

اسرائیل فلسطین کا حصہ تھا، اس پر زبردستی قبضہ کیا گیا پھر اگر ایک فلسطینی اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بہت بڑا جرم ہے، اگر وہ بے چارہ چند ہیلے چینک دے تو وہ ظالم ہے اور اگر ان کی آبادیوں کی آبادیاں تباہ کر دی جائیں تو اس میں کوئی حرخ نہیں۔

ایک عرب صحافی فلسطین کے اپنے ایک تازہ دورہ کی رپورٹ میں لکھتا ہے: ”غزہ پٹی کے دورہ میں میں نے دنیا کی سب سے بڑی جیل کا مشاہدہ کیا، پورے غزہ کو فولادی دیواروں اور ایسے تاروں سے گھیر دیا گیا ہے جن میں کرنٹ دوڑ رہا ہے، لاکھوں انسان اس میں قید کی زندگی گزار رہے ہیں، لیکن ان کو قیدیوں کے حقوق بھی

اس منصوبے کی تکمیل کے لیے انہوں نے ہر طرح کی شاطرانہ چالیں چلیں اور آہستہ آہستہ وہ دنیا کے اقتصادی نظام پر حاوی ہوتے چلے گئے۔ آج امریکہ کے بڑے بڑے بینک ان کے قبضہ میں ہیں اور دنیا کے اہم اخبارات انہوں نے خرید رکھے ہیں۔ کوئی خبر عالمی سطح پر ان کی مرضی کے بغیر چھپ نہیں سکتی۔ امریکہ جس کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت کہا جاتا ہے، اس کے کلیدی عہدوں پر یہودی یا خالص یہودی ذہنیت رکھنے والے عیسائی قابض ہیں۔ آج امریکہ کا بڑا طبقہ ان سے پریشان ہے لیکن بے بس ہے اور امریکہ کے مقتنن اول کی بات حرف بحروف پوری ہو رہی ہے کہ اگر تم نے یہودیوں کو یہاں لئے کام موقع دیا تو ایک دن وہ آئے گا کہ وہ آقا ہوں گے اور تم ان کی غلامی کر رہے ہو گے۔

اسرائیل کی کسی بزمیت کو امریکہ برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے، اس کے لیے سارے سرکاری پروٹوکول اور عالمی معاهدے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ عالمی قوانین کی وجہاں بکھیر دی جاتی ہیں اور وہ سب کچھ روا رکھا جاتا جس کا دوسرے کے لیے تصور بھی ممکن نہیں۔

یہودیوں کے منصوبے میں ایک وسیع مملکت اسرائیل کا قیام بھی ہے جس میں دنیا کے اہم اسلامی ممالک خاص طور پر شامل ہیں۔ جزا مقدس کا بڑا حصہ بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ یہودی اپنے اس منصوبے کو پورا کرنے کے لیے ہر طرح سازشیں کرتے رہتے ہیں، ان کے لیے نہ کوئی اصول ہے اور نہ انسانیت کی ان کے یہاں کوئی حقیقت ہے۔ ہر زمانے میں نبیوں کو قتل کرنے والے وہ ہیں، حضرت عیسیٰ کو اپنے خیال کے

طاقوں کی بھی۔ مسلمانوں کو صحیح نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے اور دنیا کے لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ضرورت ہے، ورنہ یہ سکھ جو مختلف ملکوں میں خوب ریزیوں کی شکل میں جاری ہے، اس کو بند نہیں کیا جا سکتا اور اس کا نقصان صرف مسلمانوں کو ہی نہیں ہو گا پوری دنیا کو اس کے نقصانات بھگتے پڑیں گے۔

فلسطین کا مسئلہ مسلمانوں کے لیے دھڑکتے ہوئے دل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں یک طرفہ کارروائیاں پوری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات سے کھلوڑ کے متراون ہیں۔ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور دوسرا طرف مسلمانوں کو بھی اچھا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر ملک میں اور خاص طور پر جہاں وہ غیروں سے برس پیکار ہیں۔

☆☆☆☆☆

وہاں حالات بدل رہے ہیں اور جب جب مسلمانوں نے اپنی ذمہ داریاں فراموش کی ہیں، حالات نے ان کو سبق سکھایا ہے۔

دنیا کے لیے اگر کشش ہے تو سلام میں ہے، مسلمانوں میں نہیں اور آج جہاں سکھش ہے وہ مسلمانوں سے ہے۔ جس سوچ بوجھ اور انصاف رکھنے والے کے سامنے اسلام کی تعلیمات آتی ہیں، اس کی اسلام سے کوئی دشمنی نہیں رہ جاتی۔

مسلمانوں کے غلط طرز زندگی کی وجہ سے اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایک بڑی تعداد حقیقت تک پہنچتی ہی نہیں اور قدیم مفروضہ پر ساری کارروائیاں کرتی رہتی ہیں، اس کے نتیجے میں دنیا کو بھی بڑے نقصانات بھگتے پڑ رہے ہیں۔

ذمہ داری مسلمانوں کی بھی ہے اور عالمی

تاریخ کے سہرے صفات میں موجود ہے، جب تک مسلمانوں نے اپنا سبق یاد رکھا، اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا، آسمانی نظام زندگی، نظام اخلاق کا اپنے قول و عمل سے نمونہ پیش کرتے رہے، دنیا ان کے قدم چوٹی رہی، پھر جب انہوں نے دنیا کا سبق بھلا دیا، وہ دنیا کے قدموں میں گر گئے، اپنی حقیقت فراموش کر دی، وہ قوموں میں بٹ گئے، انہوں نے طرح طرح کے بت بنالیے، زندگی کا مقصد کچھ کا کچھ ہو گیا تو حالات بھی بدل گئے۔

پوری اسلامی تاریخ میں جب جب مسلمانوں کو ہر یکیت اٹھانی پڑی، اس کے پیچے اسباب کار فرمار ہے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ صحیح اسلامی تعلیمات کے اندر ایسی جاذبیت اور ایسی کشش ہے کہ وہ دنیا کی ایک ضرورت ہے اور جہاں دنیا کو اس کا احساس پیدا ہو رہا ہے،

آفتاب چمکا اور ہم نے اپنی آنکھیں بند رکھیں!

مولانا عبدالماجد دریا پادی

ہمارے سردار و آقا صلی اللہ علیہ وسلم (جس پر خداۓ رحمٰن و رحیم کی بے شمار حمتیں نازل ہوں) دوسروں سے کام لینے کے بجائے خود دوسروں کے کام کر دیا کرتے تھے، ہم کو بھی ایسی توفیق کبھی نصیب ہوتی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زمی اور محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ہم نے بھی اپنا برتابہ ایسا رکھا؟ وہ سب کے ساتھ خاساری و فرتوں بر تھے تھے، ہم نے بھی اپنے دل کو جھکایا؟ وہ اپنی مجلس میں کسی کی بدگوئی و شکوہ شکایت کے روادرانہ تھے، ہم نے اپنی زبان کو غیبت و بدگوئی سے کہاں تک باز رکھا؟ وہ دوست و دشمن، اپنے اور بے گانے سب کی خدمت کرنے والے تھے، ہم نے رحمت عالمؐ کی پیروی کی پچھے بھی کوشش کی؟ وہ ہمیشہ کم کھاتے اور بعض ادوات فاقہ بھی فرماتے تھے، ہم بھی اپنی بھوک اور اپنی زبان کے چٹکارہ کو اپنے قابو میں لا سکے ہیں؟ وہ لباس بہت ہی سادہ زیب جسم فرماتے تھے، ہم نے بھی لباس کے تکلفات کو غیر ضروری سمجھنا شروع کیا ہے؟ وہ غریبوں سے میل جوں رکھنا پسند فرماتے تھے، ہم کو غریبوں سے زیادہ ملنے میں کچھ تامل تو نہیں ہوتا؟ وہ بجائے نسب و خزر نے کے سارا زور حسن عمل اور نیک کرداری پر دیتے تھے، ہم بھی اپنے دلوں میں یہ جذبہ و لولہ پیدا کر سکے ہیں؟ روپیہ پیسہ کی فکران کے پاس تک نہ آتی تھی، ہم بھی اپنے تین روپیہ پیسہ کی فکروں سے آزاد کر سکے ہیں؟ ان کا وقت دوسروں کی خیر خواہی و خبر گیری میں صرف ہوتا تھا، ہم نے بھی اپنے وقت کا کچھ حصہ اپنی ذات و قدر کی پروش کے علاوہ کسی کام کے لیے الگ کر رکھا ہے؟

اگر ہم نے ان میں سے کسی چیز پر توجہ نہیں کی تو ہمارے لیے ریچ الاول کا آنا اور نہ آنا یکساں رہا، ہمارے لیے سر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بیکار رہا، ہمارے لیے آفتاب ہدایت کا طالع لا حاصل ہی رہا، بارش ہوئی اور ہم نے اپنی کھیتی سوکھی رہنے دی، ہوا چلی اور ہم نے اپنا پھول کھلنے نہیں دیا، آفتاب چکا اور ہم نے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ اس میں قصور کس کا ہے؟ اس کی ذمہ داری کس کے سر پر ہے؟ اس کی بابت سوال خود ہم ہی سے ہو گا یا کسی اور سے، اس وقت کے لیے ہم کوئی صفائی اپنے پاس موجود رکھتے ہیں؟!

☆☆☆

(یادوں کے چراغ)

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ: نابغہ روزگار شخصیت

چہلواری شریف پشاور میں ۱۸-۱۹ اکتوبر ۲۰۲۳ء کو منعقد اجلاس رابطہ ادب اسلامی میں پیش کردہ کلیدی مقالہ

ڈاکٹر محمد عثمانی ندوی

فضلاء کا علمی اور تصنیفی ادارہ ہے، ندوہ کے علمی و تصنیفی اسکول کی خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ کوئی بات بغیر حوالہ کے نقل نہیں کی جاتی، دوسروں کا حق غصب نہیں کیا جاتا، کوئی مضمون یا مقالہ تو بڑی چیز ہے، اگر کسی کا کوئی اچھا فقرہ بھی نقل کیا گیا تو اس کا حوالہ دیا گیا ہے، اگرچہ براہ راست اصل کتاب کا نہیں ہے بلکہ کسی مضمون سے نقل کیا گیا ہے تو صراحت کر دی جاتی ہے کہ یہ فلاں جگہ سے نقل کیا گیا ہے۔ زبان و بیان کی دل کشی مشکل سے مشکل مضمون کا سمجھنا آسان کر دیتی ہے، بھی ندوہ کا امتیاز ہے۔ اس کی مثال میں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی ایک تصنیف "تفہیم المنطق" کو پیش کیا جاسکتا ہے، جس میں پہلی بار منطق کو اسلامی ادب سے مربوط کر دیا گیا ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے یہاں تحقیقی اسلوب مکمل طور پر موجود ہے۔ مثال کے طور پر مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر "ترجمان القرآن" کا تجزیہ اس سے بہتر پہلے کسی نے نہیں کیا، خاص طور پر ان کے مراجع کی نشان دہی اور جہاں سے ان کی راہ دوسرے علماء اور مفسرین سے الگ ہوتی ہے، اس کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی تفسیر کی انفرادیت، محسن کا کوروی کی نعت کا تجزیہ اور اس کے ہندوانہ تشبیب کی حقیقت پہلی بار اردو ادب میں پیش کی گئی ہے۔ یہ سارے مقالات مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے تحقیقی اسلوب کا نمونہ ہیں۔

علمی و ادبی ماہنامہ "ذکر و فکر" کے ادارے جو مولانا لکھتے رہے تھے، وہ بھی خاصہ کی چیزیں ہیں، وہ بھی کبھی "تغیر حیات" کے ادارے بھی لکھتے تھے، ان کے تمام ادارے پسند کیے جاتے تھے، اس میں وقتی مسائل کا رابطہ دینی احساسات

ہے اور جب اس میں دل دردمند بھی شامل ہو جاتا ہے تو تحریر کی تاثیر میں شتاب گل جاتا ہے۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے جو مجلہ "ذکر و فکر" میں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے ساتھ شریک ادارت تھے یہ لکھا ہے کہ: "مولانا عبداللہ عباس ندویؒ ندوہ اسکول کی بہترین ترجیحی کرتے ہیں اور ندوہ ایک تہذیب ہے، ایک نصب العین ہے، ایک روشنی ہے، تعلیم سے زیادہ قدر رول کو سکھانے برق و بارلایا، وہ وہاں ادب کے استاذ مقرر ہوئے، بعد میں وہ سعودی عرب میں ریڈیو ایشیشن کے نشریات شرقیہ کے وکیل اور نگران مقرر ہوئے، پھر رابطہ عالم اسلامی میں اسلامی تنظیموں کے ذمہ دار پھر وہاں کے جڑل کے ایڈیٹر ہوئے، پھر جامعہ ام القری کے شعبہ عربی کے استاذ مقرر ہوئے، اور پیلان کار ندوہ العلماء میں معتمد تعلیم مقرر ہوئے، ندوہ العلماء کے علم و ادب کے چن میں ایک پھول کھلا تھا جس کی خوبصورتی تک مشام جاں کو معطر کر رہی ہے جس کی تصنیفات فکر کو منور کر رہی ہیں۔

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی متعدد کتابیں شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان کے مضامین و مقالات کو جو زیادہ تر ماہنامہ "ذکر و فکر" میں شائع ہوتے رہے ہیں، قول کریم، سیرت و سنت نبوی کو ادبی اور علمی اسلوب میں پیش کرنے کا رواج سب سے پہلے اسی نے ڈالا اور آج بھی وہ اسی نفح پر قائم ہے، اس نفح کی نقلیں کی گئیں۔ ندوہ کے تصنیفی نفح پر ادارے قائم کیے گئے ہیں پورا دار المصطفین ندوہ العلماء کے

میں کئی کتابیں لکھیں۔ اس پورے دور میں مولانا کا قابل تقدیم امتیاز یہ رہا ہے کہ ان کا تعلق اپنے مادر علمی اور اپنے استاد اور شیخ و مرتبی مولانا ابوالحسن علی حسینی ندوی سے منقطع نہیں ہوا۔ وہ اس شاخ کے ماندرا رہے جو اپنے شجر سے ہمیشہ پیوست رہتی ہے اور اس تعلق میں دینی محبت اور خلوص کے سوا اور کسی جذبہ کی آمیزش نہیں تھی۔ ہندوستان سے باہر ان کے پاس عہدہ بھی تھا اور عزت بھی تھی اور ماں وزر کی ریل پیل بھی۔ اس کے بعد بھی اس تعلق کی اخلاص کے سوا کسی اور چیز سے تعبیر نہیں کی جاسکتی ہے۔ یہ پہلوان کی زندگی کا بہت قابل قدر اور بہت قابل فخر ہے۔

لیکن مولانا کی شخصیت کا جو پہلواس سے بھی زیادہ تابنا ک اور اس سے بہتر، برتر، بلند اور روشن تر ہے وہ کچھ اور ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ مولانا کی دو کتابیں ”عربی میں نعتیہ کلام“ اور ”قصیدہ نور دہ کی شرح اور ان کی کتاب ”روائے رحمت“ اتفاقی واقعہ کے طور پر وجود میں نہیں آئی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں ان کی اندر ورنی شیفتگی کی کیفیت کا خارجی اظہار ہیں۔ یہ ان کے جذبات محبت کا عکسِ جملی ہیں، یہ حق رسالت تاب سے ان کی سرشاری کی دلیل ہیں۔ مولانا کی شخصیت میں سوز و مقتی اور جذب و شوق کی کیفیت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ان کو وہ والہانہ تعلق ہے جو پروانہ کو چراغ سے ہے، بلیل کو پھول سے ہے، عشق مصطفیٰ ان کے لیے سوز زندگی ہے، ساز زندگی ہے، راز زندگی ہے، جب زبان پر آپ کا نام آتا ہے تو دامن پر اشک کے کوب جلوہ پیرا ہوجاتے ہیں اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ رابط ادب اسلامی کی طرف سے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں حیدر آباد میں سمینار منعقد ہوا تھا، اس سمینار میں

مشاهدات جب ”چند دن دیار غیر میں“ کے نام سے شائع ہوئے تو راقم سطور کو پہلی بار ان کے ادبی ذوق اور شفاقت بیانی اور خوبصورت اسلوب نگارش کا اندازہ ہوا، اس کے بعد میں ان کی تحریروں کی تلاش میں لگا رہتا تھا۔

سے اس طرح قائم کیا جاتا تھا کہ اس کا اعتراف ان کے مخلصین ہی کو نہیں، بلکہ تمام قارئین کو بھی ہوگا۔ ان کے قلم سے جو اداریے لٹکلے وہ سمجھی مقبول رہے اور عصمت چغتاً کے مرنے پر ”آتشیں لیف“ کے عنوان سے ان کا اداریہ سیمیدہ ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

مولانا کی تحریریں حسن زبان اور رعنائی بیان کا بہترین نمونہ ہیں، یوں تو مولانا اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں اور تینوں زبانوں میں ان کے قلم سے وقوع کتابیں نکلی ہیں، لیکن ان کی اردو تحریریں ادب کامل عیار اور حسن انشاء کا معیار قرار دی جاسکتی ہیں۔ اردو میں معیاری ادب کے لیے فارسی اور عربی پر عبور ضروری ہے اور اس کے ساتھ ادب عالیہ کے مطالعہ کا ذوق بھی لازمی ہے۔ فارسی، اردو اور عربی کے ہزاروں اشعار ان کی نوک زبان پر تھے۔ شعر و ادب کے دریاۓ نایبید اکنار میں اس سے ان کی شناوری کا اندازہ ہوتا ہے۔ ادب کے ذوق اور مطالعہ نے ان کی تحریر میں دل کشی پیدا کر دی ہے، جس طرح سے غنچہ و چین اور گل رنگیں پیرا ہن زیورات ارضی کی حیثیت سمجھتے ہیں، اسی طرح اچھے اشعار اور نثر پارے زیورات لفظی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مولانا کی تحریریں پڑھنے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قلم قدم پر ادب و انشاء کے پھول کھلاتا اور مسرت و انساط کی خوبی پھیلاتا اور افکار کے موٹی لشاتا اور بصیرت کو گراں مایہ بناتا چلتا ہے۔

مولانا ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاد رہے اور پھر سعودی عرب میں کئی سال ام الفرقی یونیورسٹی میں استاد رہے اور انگلینڈ میں رہ کر لیڈس یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انگلینڈ کا سفر نامہ اور وہاں کے قیام کے

رکنیں اور غم گین ہو گیا، وہ آبدیدہ ہو گئے اور آواز گلوگیر ہو گئی، ایسے ہر موقعہ پرمخت کا جام تھا جو چھلک جایا کرتا تھا اور اندر وہی کیفیت سامنے آ جاتی تھی۔

حضر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے اور آل واصحاب سے محبت مولانا عبداللہ عباس ندوی کے دل و دماغ میں پیوست تھی۔ اسی لیے عربی زبان کی نعتیہ شاعری پران کی کتاب موجود ہے۔ مشائخ پھلواری کے نعتیہ کلام پر بھی ان کا مقالہ موجود ہے۔ حسن کا کوروی کی نعت "سمت کاشی سے چلا جانب مھر ابادل" پران کا مضمون بے مثل اور بے نظیر ہے، انہوں نے قصیدہ بانت سعاد اور قصیدہ برده کی اردو میں شرح و ترجمانی کی ہے اور "ردائے رحمت" کے نام سے کتاب شائع کی ہے، پھر ان کی کتاب "پیغمبر اخلاق و انسانیت" ملک دستہ سیرت کا ایک خوشنما، خوش رنگ و خوبصوردار پھول ہے بلکہ گل سرسبد ہے، ان کی کتاب "تدوین سیرت" بھی سیرت کے موضوع سے ان کے شفقت کی آئینہ دار ہے، حقیقت یہ ہے کہ محبت رسول مولانا عبداللہ عباس کی شخصیت کی پہچان ہے اور ان کا امتیاز خاص ہے، جس طرح ہر پھول کا خاص رنگ ہوتا ہے، خاص خوبصورتی ہے، خاص خراش و تراش ہوتی ہے، اسی طرح سے محبت رسول اور عشق بیوی مولانا کے ضمیر میں ان کے خمیر میں داخل ہے اور یہ مولانا کی شخصیت کی پہچان بن گئی ہے، سیرت پر کتابیں لکھنا عربی کی نعتیہ شاعری پر کتاب لکھنا، اردو کی نعتیہ شاعری پر کتاب لکھنا اور خود بھی نعتیہ اشعار کہنا، ان کی اسی محبت کا اظہار ہے، ان کے اشعار کا مجموعہ کلام عارف کے نام سے شائع ہوا ہے، یہ وہ محبت کا جام ہے جو بار بار چھلکتا رہتا ہے اور یہ

نعت رسول اور سیرت طیبہ کے موضوع پر لکھنے کے لیے عشق کی حرارت درکار ہے، حقیقی عشق اور حقیقی محبت اس مادی دنیا کی سب سے قیمتی محتاج بے بہا ہے، اس خرمن کا نبات میں وہی ایک کام کا جو ہر ہے "یک دانہ محبت باقی ہے کاہ" یہ عشق نہ ہو تو شرع و دین بقول اقبال بت کدھ تصورات ہیں۔ یہی محبت ہے جو مولانا عبد اللہ عباس کی تمام تحریروں میں خاص طور پر سیرت اور نعتیہ شاعری کے موضوع پر کتابوں میں اس طرح پیوست ہے جس طرح پھولوں میں باد سحر گاہی کا نام۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی ایک مردمومن تھے اور کلمہ طیبہ کے دونوں جز پران کا ایمان بہت گہرا تھا۔ جہاں تک کلمہ طیبہ کی پہلی جز کا تعلق ہے، انہوں نے ایک بار اپنی گفتگو میں کہا تھا: "انسان سے کوئی بھی گناہ سرزد ہو جائے، اس سے کسی حال میں شرک کا گناہ نہیں سرزد ہونا چاہیے، شرک سے کمل اجتناب ضروری ہے۔ جہاں تک کلمہ طیبہ کے دوسرے جز کا تعلق ہے، بی کریم پر ایمان اور ذات اقدس سے والہانہ تعلق ان کی شخصیت کی پہچان تھی، اس لیے اردو کی نعتیہ شاعری ہو یا عربی زبان کی نعتیہ شاعری دونوں سے ان کو خاص مناسبت تھی، ان کے مضامین اور ان کی کتابیں اس کی گواہ ہیں" ان کے ایمان مفصل کا یہی ہے "مجل"، چنانچہ ایسا ہو چکا ہے کہ جب ان کی مجلس میں کسی نے علامہ اقبال کا شعر پڑھا:

مکن رسو اہ پیش خواہ مارا
حساب من ز چشم او نہاں گیر
تو اس وقت مولانا عبداللہ عباس ندوی کے
چہرہ کارنگ اندر وہی کیفیت کی شدت سے سرخ

مولانا اپنا مقالہ سنار ہے تھے، شرکاء جلسے نے ایک منظر دیکھا اور یہ منظر لوگوں کے قرطاسی دل پر مرتمم ہو گیا، جب اس ذات گرامی کا ذکر آیا جس کی غلامی ہی نہیں بلکہ اس کے غلاموں کی غلامی باعث صد فخار ہے تو مولانا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی، آواز گلوگیر ہو گئی اور آنسوؤں کی برسات شروع ہو گئی۔ احساس کی شدت سے جسم کا عنینے لگا اور ان کے لیے مقالہ جاری رکھنا مشکل ہو گیا: جب نام تیرا بیجے تب چشم بھر آوے اس طرح سے جینے کو کہاں سے جگر آوے ایک آنسو اور اس میں داستان صد ملال کتنے دریا قطرہ شبتم میں لہرانے لگے مولانا کی دونوں کتابیں "ردائے رحمت" اور "عربی میں نعتیہ کلام" قلم کو خونِ دل میں ڈبوئے کے بعد وجود میں آئی ہیں اور یہ کام اتنے مؤثر طریقے سے وہی شخص انجام دے سکتا ہے، جسے باہم عشق رسول سے بھی کچھ حصہ ملا ہو، ورنہ اس "حال" کے بغیر اس موضوع پر لکھنا صرف ایک "قال" اور کمپیوٹر کا "کمال" ہو کرہ جائے گا اور ایسی تحریر وجود میں آئے گی جو چوب قلم کی طرح خشک اور بے کیف اور بے مشک ہو گی، کوئی حرج نہیں اگر مسک الختم کے طور پر "عربی میں نعتیہ کلام" کے مصنف کے بارے میں کتاب کے مقدمہ میں حضرت مولانا ابو الحسن علی حسni ندوی نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا اقتباس پیش کیا جائے: "اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت برادر عزیز مولوی عبداللہ صاحب کے لیے مقدر فرمائی تھی، جو ہمارے علم کی حد تک ان صفات سے متصف ہیں جو اس کتاب کی تالیف کے لیے شرط ہیں، نیز خاندانی اور تربیتی لحاظ سے بھی وہ اس موضوع سے فطری مناسبت رکھتے ہیں"۔

کہ اب آخرت کا استحضار غالب آگیا ہے، انہیں اب محسوس ہو چکا ہے کہ اب صبح زندگی کی شام ہو چکی ہے اور اب طار روح اپنے حقیقی آشیانہ کی طرف مائل پرواز ہے، مجھے محسوس ہوا کہ یہ مولانا علی میاں کی نسبت ہے جو کام کر رہی ہے، مولانا علی میاں کا یہ بڑا امتیاز تھا کہ کبھی کسی کی برائی ان کی زبان سے نہیں سنی گئی۔

مختلف موضوعات پر مولانا کی کتابیں دیکھنے تو محسوس ہو گا ایک باراں مسلسل ہے، ایک تاریخیں ہے جو ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا ہے، مضامین نوبہ تو کا اب اگلتا جا رہا ہے اور آواز آرہی ہے ”خبر کرومے خرمن کے خوش چینوں کو“ اور یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان کے چوب قلم سے علم و ادب کی ایک جوئے روائی کی ہے جو کاتی ہوئی گنگاتی ہوئی سنگ رہ سے گاہ پختی گاہ نکراتی ہوئی نخستانوں کو آباد اور مرغزاروں کو شاداب کرتی ہوئی جا رہی ہے۔ ۲۵ رسمے زیادہ کتابیں، اب کوئی دو تین کتابیں بھی ایسی نہیں لکھتا، محفوظوں میں جس کا ذکر ہو، علم و ادب کی بزم میں جس کا نام لیا جاتا ہو، اب تو کسی کو کتاب پڑھنے کی فرصت نہیں، اب نہ کوئی علم کے لیے جانشنازی کر سکتا ہے نہ اپنی نیند کی قربانی کر سکتا ہے، اس لیے اب نہ کوئی عالم پیدا ہوتا ہے نہ ادیب بقول کلیم عاجز:

مت کہیو کا ب مجنون ندرہالیں ندری محمل ندرہا
کہیو کہیو کا کھیل ہے سب اور تاہو فاضل ندرہا
مولانا کی کتابوں کی کثرت کے درمیان اور
تصنیفات کی وسعت کے درمیان کوئی ادیب کوئی
اشاء پرداز کسی آشنازے راز سے کسی واقف سوز و
ساز سے اگر دریافت کرے گا کہ مولانا کی کوئی
ایسی تحریر بتاؤ جس میں مولانا کے دل کی دھڑکن
 شامل ہو اور رگ ساز میں صاحب ساز کا لہو رواں

ندوی نے ایک بڑی رقم مجھے ان کو پہنچانے کے لیے دی، میں ان بزرگ سے واقف تو تھا لیکن ان کے گھر کا محل وقوع مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے یہ رقم پہنچانے کے لیے ایسے صاحب کو دی جوان کے گھر سے واقف تھے، جب میں نے مولانا عبد اللہ عباس ندوی کو بتایا تو برافروختہ ہوئے اور یہ کہا کہ تمہیں دوسروں کی عزت نفس کا خیال نہیں ہے، وہ کیا سوچیں گے کہ مالی اعانت کی خبر غیر متعلق لوگوں کو ہو گئی، مولانا خاموشی سے مفلوک الحال لوگوں کی مدد کرتے تھے۔

نسبت تصوف کی ایک اصطلاح ہے، نسبتیں منتقل ہوتی ہیں، مولانا عبد اللہ عباس ندوی کو اپنے مرشد اور استاد مولانا سید ابو الحسن علی ندوی سے جو تعلق تھا، اس کی وجہ سے ان کی بہت سی نسبتیں منتقل ہوئی تھیں، مولانا علی میاں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ کوئی شخص اگر حرف مطلب زبان پر لاتا تو ان کے لیے انکار مشکل ہو جاتا، دلداری اور دلنووازی ان کی فطرت میں داخل تھی، یہ نسبت مولانا عبد اللہ عباس ندوی کی طرف منتقل ہوئی تھی، ایک رمضان ان کے انتقال سے پہلے رقم کو مکہ میں گزارنے کا موقعہ ملا، یہ ان کی علاالت کا زمانہ تھا، میں نے دیکھا کہ نماز پڑھنا اور سجدہ سے سراہانا مشکل لیکن پھر بھی ملنے والوں سے خندہ پیشانی سے مل رہے ہیں، اور اپنی کمزوری کا اظہار نہیں کرتے ہیں، انہیں یہ بھی پسند نہیں تھا کہ لوگ مجلس میں کسی شخص یا شخصیت کے بارے میں مخالفانہ تبصرہ کریں، ان کے یہاں اس معاملہ میں مکمل کف لسان تھا، اشارتاً بھی کوئی ریمارک کسی کے خلاف ان کی زبان پر نہیں آتا، وہ کسی شخص کا تذکرہ کرتے تو اس کے اچھے پہلو کو نہیں کرتے، مجھے محسوس ہوا

کوئی معمولی چیزیں ہے، بجاري اور مسلم کی حدیث ہے: لا یؤمن أحد کم حتی أكون أحب اليه من والده و ولده والناس أجمعين یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ میں اس شخص کے لیے اس کے باپ اولاد اور سب سے زیادہ محبوب نہ بن جاوے۔

یہاں بطور جملہ مفترضہ یہ عرض کرنا ہے کہ محبت رسول صرف ایک خالی خوبی نظریاتی عمل نہیں ہے، محبت رسول کے اثرات انسان کی اعمال و اخلاق پر اثر اداز ہوتے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان صاحب خلق عظیم کی محبت میں گرفتار ہو اور پھر اس ذات گرامی کے اخلاق و شسائل کا کوئی سایہ اس پر نہ پڑے۔ مجھے اندازہ ہے کہ غربیوں، بے کسوں اور مسکینوں کی دست گیری اور حاجت روائی مولانا عبد اللہ عباس ندوی کا شعار تھا۔ غربیوں اور مسکینوں کے ساتھ ان کے محبت اور شفقت کے واقعات تو ان کے اہل خانہ ہی تفصیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں، ایک واقعہ کا رقم سطور بھی گواہ ہے۔ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ مولانا عبد اللہ عباس ندوی دولت مند مملکت سعودی عرب کے شہری تھے، رابطہ عالم اسلامی میں باوقار عہدہ پر فائز تھے اور بعد میں ام القری یونیورسٹی کے استاذ مقرر ہوئے، ایسے لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی تو ہوتی ہی ہے اور اہل حاجت ان کے پاس آتے ہیں۔ مولانا عبد اللہ عباس ندوی کا قیام جب دہلی میں تھا، رقم نے دیکھا تھا کہ حیدر آباد کے ایک صاحب علم و فضل اور صاحب قلم ان کے پاس آیا کرتے تھے، رقم سطور کا جب قیام بسلسلہ ملازمت حیدر آباد میں ہوا تو مولانا عبد اللہ عباس

بھی ہے ساز بھی ہے، دل کا گداز بھی ہے آخرت اور جنت کے احوال کا راز بھی ہے۔ اس نعت میں آخر میں ایک خاص منظر سامنے آتا ہے، عالم قدس میں نعت کی محفل منعقد ہو رہی ہے اور خود شہنشاہ کو نین اس محفل میں ملائکہ کے ہجوم میں جلوہ فرمائیں اور حضرت محسن کا کوروی سے جریل امین اسی نظم اور اسی نعت کی فرمائش کر رہے ہیں، پچھا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس محفل نور و سور میں مولا نا عبد اللہ عباس ندوی کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہو گی کیونکہ وہ دنیا میں اپنے دل بیتاب کے ساتھ، اپنی چشم پر آب کے ساتھ حضرت محسن کا کوروی کی نعت کے شارح اور ترجیحان بننے تھے، وہ عالم قدس میں زمر دیا قوت کی قبازیب تن کیے ہوئے فردوس بریں کی خوبصورت پوششک پہنے ہوئے اپنی پسندیدہ نعت حضرت محسن کا کوروی کی زبان سے سن رہے ہوں گے، شاعر نے اس نعت میں تمبا کی ہے کہ عالم قدس میں قدسیوں کی موجودگی میں حضور رسالت مآب میں، شہنشاہ کو نین کی محفل میں اس کو یہ نعت سنانے کی اجازت مرحمت ہو، محسن کا کوروی بایں الفاظ اجازت کے طالب ہوتے ہیں:

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدار
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی چلا جانب مقترا بادل
یہ ہے وہ صلحہ جو مگان غالب ہے کہ حضرت
محسن کا کوروی کی نعت کی شرح و ترجیحانی کا ان
کو ملے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو دنیا میں حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آخوت میں آپ
کی معیت اور آپ کی شفاعت نصیب فرمائے۔

☆☆☆☆☆

حال تلمبد کیا ہے۔ ہندوستان کا عظیم شاعر محسن کا کوروی ہندوستان کے پس منظر میں جب ظہور قدسی کے موقعہ پر نقیۃ کلام کا اپنے کنج لب سے آغاز کرتا ہے تو وہ جہالت کا اندر ہیرا بیہاں کے خاص ماحول، پس منظر اور بیہاں کی تعبیرات کے مطابق پیش کرتا ہے، وہ شرک اور بت پرستی کے اندر ہیروں کا اس طرح تذکرہ کرتا ہے:

کا لے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید ہے یہ اندر ہیر مچائے ہوئے تاثیرِ حل وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈھے اسے لے کر مشعل شاہد کفر ہے مکھرے سے اٹھائے گھونکھ چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کا جل

یہ شاعر محسن کا کوروی اردو شاعری کی اس زبانی اور بے مثال نعت میں ہندوستان کے بہتانوں کے تذکرہ کے بعد اقاں و خیزان رحمۃ للعلیمین کے دربار تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور کہتا ہے:

تاریخان مسلسل ہے ملائک کا درود پیغے تشیع خداوند جہاں عز وجل محسن اب سیجھے گلزار مناجات کی سیر کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل مرے ایمان مفصل کا کیا ہے مجمل ہے تمبا کہ رہے نعت سے تیری خالی نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل یہ نعت، نقیۃ شاعری کی پوری تاریخ کی ایک انوکھی اور زریں نعت ہے جس کی ترجیحانی مولا نا عبد اللہ عباس ندوی نے اپنے خاص انداز سے کی ہے، ایسے انداز میں جس میں عشق رسول کا سوز

ہوا اور مولا نا کی اصل شخصیت کی نقاپ کشائی جس سے ممکن ہوتا وہ واقع حال وہ محمد رازِ شخص بتائے گا کہ مولا نا نے اردو اور عربی کی نقیۃ شاعری پر جو کام کیا ہے اس کا گھرائی کے ساتھ مطالعہ کر لیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ: ”ہے رُگ ساز میں روایت صاحب ساز کا ہے“، مثال کے طور پر محسن کا کوروی کی نعت ”سمت کاشی“ سے چلا جانب مقترا بادل“ کی شرح و ترجیحانی جو مولا نا نے فرمائی ہے، اس پر ایک نظر ڈالنے تو لفظ لفظ سے دل کے درہ کنے کی آواز آئے گی، ہمیں اعتراف ہے کہ ہم نے جب کانج میں اس طویل نعت کا شروع کا حصہ یا ٹکڑا جو نصاب میں داخل تھا، پڑھا تھا تو سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ یہ نعت کیسی ہے؟ یہ تو نعت معلوم ہی نہیں ہوتی ہے، ”سمت کاشی“ سے چلا جانب مقترا بادل“ کاشی اور مقترا تو ہندووں کے استھان ہیں، نہ مدینہ کا ذکر نہ روپہ اقدس کا تذکرہ نہ جبل احمد کا نہ بقعہ کا بیان۔ البتہ ذکر ہے تو کاشی کا مقترا کا اور ذرا آگے چل کر گنجاب جل کا گوکل کا، کرشن کھیا کا:

سمت جاشی سے چلا جانب مقترا بادل
برج میں آج سری کشن ہے کالا بادل
کا لے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل مولا نا عبد اللہ عباس ندوی کی شرح و ترجیحانی پڑھنے کے بعد جا کر محسوس ہونے لگتا ہے کہ محسن کا کوروی کی اس نعت کے ابتدائی حصہ میں تقریباً وسیاہی مضمون ہے جو علامہ شبی کی کتاب سیرۃ النبی میں ظہور قدسی یعنی ولادت با سعادت کے پاب میں موجود ہے جیسے یہ کہنا کہ آتش پارس بھگئی، دریائے سادہ خشک ہو گیا، شہنشاہ روم کے قلعوں کے تنگرے گر گئے یا جیسے مولا نا علی میاں ندوی نے اپنی کتاب ”نبی رحمت“ میں زمانہ جاہلیت کا

(اجتماعی اجتہاد)

آخری قسط

کلیدی خطبے سے روزہ ہی سیمینار

مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ - مورخہ ۲۰-۱۰ اکتوبر ۲۰۲۳ء

مولانا عتیق احمد بستوی

ہندوستان کے علاوہ یورپ میں یورپین افقاء کو نسل قائم ہے، جو نئے مسائل پر غور و خوض اور فیصلے کا کام کرتی ہے، سوڈان میں بھی ایک فقة اکیدی موجود ہے، امریکہ میں بھی ایک فقة اکیدی موجود ہے جو امریکہ اور کنادا میں بیدا ہونے والے مسائل پر اجتماعی غور و خوض کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب اداروں کو مفید بنائے اور صحیح خطوط پر کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

مجلس تحقیقات

شرعیہ کے اجلاس

مجلس تحقیقات شرعیہ اپنے قیام کے ابتدائی چند سال خاص طور پر متحرک رہی، خصوصاً حضرت مولانا محمد اسحاق سندھی کے دور نظامت میں، کیم ستمبر ۱۹۶۳ء میں مجلس کی تاسیس کے بعد سب سے پہلے انشور نس کے موضوع پر اجتماعی غور و خوض ہوا، دسمبر ۱۹۶۵ء میں انشور نس کے موضوع پر فیصلہ ہوا، مئی ۱۹۶۷ء میں رویت ہلال کے موضوع پر غور و خوض اور فیصلہ ہوا۔

نئے مسائل پر اجتماعی غور و خوض کے لیے ۱۹۷۱ء میں مجلس کی پانچویں مشاورتی نشست ۱۵-۱۶ اگسٹ ۱۹۷۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں منعقد ہوئی، حضرت مولانا محمد اسحاق سندھی ندوی کے ۲۰ ۱۹۷۱ء میں پاکستان منتقل ہو جانے کی وجہ سے حضرت مولانا محمد برہان الدین سنجھی کے دور نظامت میں یہ مشاورتی اجلاس منعقد ہوا، جو سرکاری قرضوں کے موضوع پر تھا، حضرت مولانا سنجھی مجلس کے نظام مقرر برہان الدین صاحب سنجھی مجلس کے ظہور کی رفتار کیے گئے تھے، یہ پانچواں اجلاس مجلس تحقیقات شرعیہ کا آخری اجتماعی اجلاس ثابت ہوا، مجلس تحقیقات شرعیہ اس کے بعد بھی قائم رہی اور حضرت مولانا برہان الدین سنجھی صاحب اس

سر پرست رہے، حضرت نے فقة اکیدی اثڑیا کے متعدد سیمیناروں میں شرکت اور صدارت فرمائی، ایک سیمینار میں اجتماعی اجتہاد کے موضوع پر مقالہ بھی پیش فرمایا، الحمد للہ! یہ اکیدی برابر سرگرم عمل ہے، مجلس تحقیقات شرعیہ کے اس سیمینار میں اسلامی فقة اکیدی، اثڑیا کے موجودہ جزء سیکریٹری حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم جو آل اثڑیا مسلم پرشیل لا بورڈ کے صدر ہیں، سفر عمرہ کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے اور انہوں نے معذرت کا خط بھیجا ہے لیکن اسلامی فقة اکیدی کے سیکریٹری برابرے سیمینار حضرت مولانا عبداللہ الاسعدی شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہنchora باندہ ہمارے درمیان موجود ہیں۔

اسی طرح ہندوستان کا دوسرا ادارہ جو فقہی موضوعات پر مذاکرے کی مجلسیں منعقد کرتا ہے، ادارہ المباحث الفقهیہ جمیعت علماء ہندوستان کا پہلا فقہی اجتماع فروزی ۱۹۹۱ء میں ہوا، یہ ادارہ بھی الحمد للہ نئے مسائل کو حل کرنے میں سرگرم عمل ہے اور تقریباً ہر سال اس کے پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ نئے مسائل کے ظہور کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ انھیں حل کرنے کے لئے بہت سے اداروں کی ضرورت ہے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ان اداروں میں باہمی ربط ہو اور ایک دوسرے سے باہمی تعاون اور استفادہ کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا جائے۔

فقہاء اکیدی میوں کا قیام عالم اسلام میں نئے فقہی مسائل پر غور و خوض اور فیصلے کے لیے جو اکیدی میاں قائم ہوئیں وہ ۱۹۶۳ء سے بہت بعد میں قائم ہوئیں، اس طرح کی اکیدی رابطہ عالم اسلامی نے مکہ مکرمہ میں قائم کی، اس کی پہلی کانفرنس ۸۱۹۸ء میں ہوئی، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسینی ندوی ابتداء ہی سے وفات تک مکہ فقة اکیدی کے ممبر رہے، دوسرا اکیدی مسلم ممالک کی تنظیم (OIC) نے قائم کی، اس کی پہلی کانفرنس ۱۹۸۲ء میں ہوئی، یہ دونوں اکیدی میاں میں الاوقا ای سطح پر اپنا کام انجام دیتی رہیں، مختلف ممالک کے ممتاز علماء، فقہاء اور ماہرین ان دونوں اکیدی میوں کے تحت نئے پیش آمدہ، پیچیدہ مسائل پر غور و خوض کر کے ان کا شرعی حل تلاش کرتے ہیں، اور اب بھی ان کا سلسلہ جاری ہے۔

مختلف ممالک میں اجتماعی اجتہاد کے ادارے
الحمد للہ! ہندوستان میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے بعد ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا قاضی مجاهد الاسلام صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اور محنت سے اسلامک فقة اکیدی اثڑیا قائم ہوئی، اور اس نے جدید مسائل کے حل میں بہت نمایاں کردار ادا کیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تاہیات فقة اکیدی کے

ایک تو کرونا کے مسائل پر جو چند سال تک دنیا کا سب سے اہم مسئلہ تھا، اور اس نے ہر میدان میں نئے مسائل پیدا کئے تھے، کرونا کے موضوع پر جو شرعی مسائل زیر بحث آئے الحمد للہ ان سب پر اتفاق رائے سے شرکاء سینار نے تجویزیں مرتب اور منظور کیں، اللہ تعالیٰ کرونا اور اس طرح کی وباً امراض سے پوری دنیا کی حفاظت فرمائے، دوسرا موضوع جو پہلے سے زیر بحث چلا آ رہا تھا اور اس پر فیصلہ نہیں ہوا کہا، وہ سرکاری قرضوں کا موضوع تھا، پچھلے سینار میں از سرنوسر کاری قرضوں اور بیکوں کے قرضوں سے متعلق مختلف سوالات پر تبادلہ خیالات اور غور و خوض کیا گیا، الحمد للہ اس پر موضوع بھی اتفاق رائے سے تجاویز مرتب اور منظور ہوئیں۔

ان شاء اللہ اسی سینار میں کرونا کے موضوع پر اردو مقالات اور فتاویٰ کا مجموعہ نیز عربی مقالات اور فتاویٰ کا مجموعہ آپ کے سامنے آئے گا، اسی طرح سرکاری قرضوں کے موضوع پر جو کتاب پچھلے سینار میں شائع ہوئی تھی اس کا نیا ایڈیشن چند مقالات کے اضافے کے ساتھ شائع ہو کر آپ کے سامنے آئے گا اس میں وہ فیصلہ بھی شامل ہو گا، جو سرکاری قرضوں کے بارے میں گذشتہ سینار میں کیا گیا تھا۔

اس فہی سینار کے موقع پر چند کتابیں بھی شائع ہو رہی ہیں، ان شاء اللہ کتابوں کے اجزاء کے موقع پر اختصار کے ساتھ ان کا تعارف کر دیا جائے گا۔

اس سینار میں جس موضوعات پر غور و خوض ہونا ہے اور موضوع کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر ان کی بابت فیصلہ کرنا ہے، ان کا مختصر تعارف آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، اس سینار میں تین موضوعات مذکورات، اور فیصلے ہوئے تھے،

محمد راجح حنفی ندوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی بابرکت شخصیت اب ہمارے درمیان نہیں ہے، اور موصوف کی رحلت سے پوری امت مسلمہ اور عالم انسانیت کا جو خسارہ ہوا ہے، اس کی تلافی بہت دشوار ہے، لیکن اللہ جل شانہ کا بے حد و

حساب شکر و احسان ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جن اداروں کو اخلاص نیت کے ساتھ قائم فرمایا تھا اور اپنی کوششوں اور قربانیوں سے انہیں پروان چڑھایا تھا، وہ سارے ادارے ان سے تربیت پائے ہوئے افراد کے ذریعہ بزرگوں کے قائم کئے ہوئے تنج پر سرگرم عمل ہیں، اور ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں، آج جب کہ ہم حالیہ فقہی اجتماع میں جمع ہیں مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندویؒ کی یادوں سے ہمارا نہماں خانہ دل روشن ہے اور ہم سب ان کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی شایان شان بجز اعطافرمائے، ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔

ہمیں بے انتہائی خوشی ہے کہ اس باوقار افتتاحی نشست کی صدارت موجودہ ناظم ندوۃ العلماء عزیز گرامی حضرت مولانا سید بلاں حنفی ندوی دامت فیوضہم کر رہے ہیں، جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ اور مرشد الامت حضرت مولانا سید راجح حنفی ندویؒ کے بعد پہلا فقہی اجتماع ۲۳-۲۴ نومبر ۲۰۲۲ء کے ترتیب یافتہ اور ان دونوں کے علوم و افکار کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں زائد سے زائد دین و ملت کی خدمت کی توفیق دے اور ان سے امت مسلمہ اور انسانیت کی رہنمائی اور اصلاح و تربیت کا کام لے۔

اس سے پہلے کے فقہی سینار (منعقدہ: ۲۳-۲۴ نومبر ۲۰۲۲ء) میں دو موضوعات پر تبادلہ خیالات مذکورات، اور فیصلے ہوئے تھے،

کے تحت انفرادی طور پر علمی اور تحقیقی کام کرتے رہے، نئے موضوعات پر مضامین اور کتابیں لکھتے رہے، لیکن ۱۹۷۱ء کے بعد اجتماعی غور و خوض کے لیے کوئی اجلاس منعقد نہیں ہو سکا۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کا احیاء

موئرخہ ۳ صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو سابق ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس تحقیقات شرعیہ کی نظامت کی ذمہ داری میرے سپرد فرمائی، حضرت مولانا برہان الدین سنبلی رحمۃ اللہ علیہ کئی سال سے سخت علیل چل رہے تھے، اور ان کی معدودی آخری حد کو پہنچی ہوئی تھی، بالآخر ۱۱ جنوری ۱۹۲۰ء کو انہوں نے رحلت فرمائی، ۱۶ اگسٹ ۱۹۲۰ء کو مجلس کے معاونین متعین ہوئے، اس کے چند دن بعد مجلس کا نیا دفتر قائم ہو گیا، اس طرح ایک طویل وقفہ کے بعد مجلس تحقیقات شرعیہ کا دفتر دوبارہ علمی و تحقیقی کاموں کے لیے کھل گیا۔

سابق ناظم ندوۃ العلماء کی خواہش اور ہدایت تھی کہ دوسرے علمی اور تحقیقی کاموں کے ساتھ فقہی مذاکروں کا سلسلہ از سرنوشروع کیا جائے، کیونکہ یہی مجلس تحقیقات شرعیہ کا اولین مقصد تھا۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کی احیاء نو کے بعد پہلا فقہی اجتماع ۲۳-۲۴ نومبر ۲۰۲۲ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اسی عظیم الشان ہال میں جو عظیم محدث حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹوئیؒ کے نام سے موسم ہے منعقد ہوا تھا، اس کے افتتاحی اجلاس منعقدہ ۲۳-۲۴ نومبر ۲۰۲۲ء کی صدارت اس وقت کے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ انتہائی صدمہ اور افسوس ہے کہ حضرت مولانا سید

آمد کا مسئلہ کافی حد تک افراد و تقریب کا شکار ہوا اور خود مسلمان خواتین کی ایک تعداد مطالبه کرنے لگی کہ ہمیں مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے، اس لیے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں اس مسئلے کا بھرپور جائزہ لیا جائے اور اس سلسلے میں جو سوال کھڑے ہوتے ہیں ان کے اطمینان بخش جوابات مہیا کئے جائیں، چنانچہ اس موضوع پر سوانحہ مرتباً کرے علماء اور اصحاب افتاء کی خدمت میں بھیجا گیا، اور الحمد للہ بڑی تعداد میں مفتیان کرام نے جوابات لکھے، ان شاء اللہ یہ مسئلہ جو مختلف پبلوؤں کا حامل ہے، اس کا تمام جہتوں سے جائزہ لینے اور تبادلہ خیالات کے بعد متوازن اور قابل عمل تجاویز مرتب کی جائیں گیں جو مسلمانوں کے لئے رہنمای ہوں اور اس سلسلہ میں جو زیادتیاں ہو رہی ہیں، ان کی جانب حکومت اور برداران وطن کو بھی توجہ دلائی جائے۔

اس سیمینار کا دوسرا موضوع مساجد میں خواتین کی آمد کا شرعی حکم ہے یہ مسئلہ بھی دور حاضر میں کافی اہمیت حاصل کر چکا ہے، اس کے بارے میں مختلف نقطے نظر پائے جاتے ہیں اور بعض دفعہ سو شل میڈیا وغیرہ پر اس مسئلے میں بڑی جارحانہ بحثیں بھی ہونے لگتی ہیں جو توازن و اعتدال سے خالی ہوتی ہیں۔

اس مقدار میں ہو گا تو اس میں زکاۃ لازم ہوگی ورنہ لازم نہیں ہوگی، مثلاً: چاندی کا نصاب، سونے کا نصاب، اونٹ کا نصاب، بھیڑ کا نصاب، بکری کا نصاب وغیرہ، جن اموال کے نصاب کی شریعت نے صراحت کر دی ہے، ان میں تو وہی نصاب قیامت تک رہے گا، لیکن جن اموال کے نصاب کی صراحت شریعت نے نہیں کی ہے، ان کا نصاب چاندی یا سونے کے نصاب کی مالیت کے اعتبار سے طے پاتا ہے، عہد نبوی میں چاندی اور سونے کا نصاب قیمت کے لحاظ سے تقریباً برابر تھا، لیکن رفتہ دونوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تفاوت ہو گیا، چاندی کے نصاب کے اعتبار سے بہت تھوڑے

پہنچی کاروائی کی گئی ہے۔

اس پس منظر میں مجلس تحقیقات شرعیہ ندوہ العلماء نے اس مسئلے کو اس سیمینار کا ایک موضوع بنایا، سوالات قائم کر کے علماء اور اصحاب افتاء کی خدمت میں بھیجا گیا، اور الحمد للہ بڑی تعداد میں مفتیان کرام نے جوابات لکھے، ان شاء اللہ یہ مسئلہ جو مختلف پبلوؤں کا حامل ہے، اس کا تمام جہتوں سے جائزہ لینے اور تبادلہ خیالات کے بعد متوازن اور قابل عمل تجاویز مرتب کی جائیں گیں جو مسلمانوں کے لئے رہنمای ہوں اور اس سلسلہ میں جو زیادتیاں ہو رہی ہیں، ان کی جانب حکومت اور برداران وطن کو بھی توجہ دلائی جائے۔

اس سیمینار کا دوسرا موضوع مساجد میں خواتین کی آمد کا شرعی حکم ہے یہ مسئلہ بھی دور حاضر میں کافی اہمیت حاصل کر چکا ہے، اس کے بارے میں مختلف نقطے نظر پائے جاتے ہیں اور بعض دفعہ سو شل میڈیا وغیرہ پر اس مسئلے میں بڑی جارحانہ بحثیں بھی ہونے لگتی ہیں جو توازن و اعتدال سے خالی ہوتی ہیں۔

دور حاضر میں خواتین کا مسئلہ ویسے بھی کافی اہمیت کا حامل ہے، اسلام جس نے پہلی بار خواتین کو ان کے جائز حقوق دئے اور عورتوں کے ہر طرح کے حقوق کا تحفظ کیا اس پر یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ بہت ظلم کیا۔ ان کی حق تلقی کی، ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کو مسجد جیسی مقدس جگہ سے دور کر دیا ہے اور عورتوں کے مسجد میں جانے پر پابندی عائد کر دی، ایک مسلمان خاتون نے سپریم کورٹ میں یہ کیس دائر کر دیا ہے کہ ہمیں مسجد میں داخل نہیں ہونے دیا گیا اور صفائی بنیاد پر ہمارے ساتھ بے انصافی کی گئی۔ غرضیکہ مساجد میں عورتوں کی

علماء اور اصحاب افتاء نے ان کے جوابات لکھے، اور مجلس تحقیقات شرعیہ کے آفس نے آنے والے مقالات کا خلاصہ تیار کر لیا، جنہیں شائع کر دیا گیا ہے۔ اور شرکائے سیمینار کی فائلوں میں اسے رکھ دیا گیا تاکہ اطمینان کے ساتھ مطالعہ کر سکیں۔

پہلا موضوع ہے ”عوامی مقامات پر نماز کا مسئلہ“، آپ کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ تقریباً ایک سال پہلے لکھنؤ کے لوگوں میں نماز ادا کرنے والوں کے خلاف کارروائی ہوئی، انہیں جیل بھیجا گیا اور بڑی مشکل سے ان کی رہائی ہوئی، اس کے بعد یوپی کے دوسرے مقامات پر بھی ریلوے اسٹیشن وغیرہ پر نماز ادا کرنے پر اسی انداز کی کارروائیاں ہوئیں اور یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے دوسرے صوبوں تک پہنچ گیا، سچائی تو یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات ملک میں بڑھتے ہوئے، تعصب کا نتیجہ ہے، ملک کی آزادی سے پہلے انگریزوں کے زمانے میں اور آزادی کے بعد، مسلمان عوامی مقامات پر نماز پڑھا کرتے تھے، جب انسان سفر کرے گا تو دوران سفر پڑھ وقت نمازوں کے اوقات آئیں گے، اس سے پہلے مسلمان پارکوں میں ریلوے اسٹیشنوں پر، ایئر پورٹ پر بے تکلف نمازیں ادا کرتے تھے۔

حکومت کو اس پر اعتراض تھا ان عوام کو، بلکہ غیر مسلم حضرات عزت و احترام کے ساتھ نماز کے لئے جگہ دیتے تھے، لیکن ادھر چند سالوں سے ملک میں جو ماحول پیدا کیا جا رہا ہے، اس کے نتیجے میں بہت سی جگہوں پر لوگ نماز پڑھنے پر متعارض ہونے لگے ہیں، بلکہ یہ بیماری عامۃ الناس سے آگے بڑھ کر پولیس اور حکومت کے بعض ذمہ داروں میں بھی پیدا ہو گئی ہے، حتیٰ کہ بعض مقامات پر اپنے گھر میں جماعت سے نماز پڑھنے

کا برابر مطالبه جاری ہے، تاکہ وکلاء اسلام کے صحیح قوانین اور ان کی اسپرٹ سے بخوبی واقف ہو سکیں اور عدالتوں میں اسلامی قوانین کی صحیح ترجیانی کریں، اس سلسلے میں ابتدائی تیاریاں جاری ہیں، ہمیں امید ہے ان شاء اللہ مستقبل قریب میں اس پروگرام کو شروع کیا جائے گا، جو قانون کے میدان میں ایک اہم پیش رفت ہوگی، قانون کے تمام منصوبوں کو پورا کرنے والا اور تمام کاموں کو مفید بنانے والا ہے۔

گفتگو ختم کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ندوۃ العلماء اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تمام ذمہ داروں اور اساتذہ کا شکریہ ادا کروں، جن کی سرپرستی اور تعاون سے مجلس تحقیقات شرعیہ ان کاموں کو انجام دے رہی ہے، خاص طور سے ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید بلاں عبدالجی حسni ندوی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن الاعظمی اور ناظر عام ندوۃ العلماء جناب مولانا سید جعفر مسعود شنی ندوی صاحب کا حد درجہ شکرگزار ہوں، ان حضرات کی خصوصی توجہ اور سرپرستی سے مجلس تحقیقات شرعیہ کے سارے کام بخشن و خوبی انجام پار ہے ہیں۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کے ایک خادم ہونے کی حیثیت سے اس فقہی مذاکرے کے انعقاد پر میں رب کریم کا بے پناہ شکرگزار ہوں کہ اس کی رحمتوں اور عنایتوں ہی سے اس باوقاف فقہی سیمینار کا انعقاد ہو سکا، ان تمام علماء اور اصحاب افتاء کا ممنون ہوں، جنہوں نے علمی ریاضت اور عرق ریزی سے سوالات کے جوابات لکھے، اور ان تمام حضرات کا بھی یہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ملک کے طول و عرض سے اس فقہی سیمینار میں شرکت فرمائی ہے۔

☆☆☆☆☆

اور لچسپ رہا، اس میں شرکت کرنے والے وکلاء، جزو اور علماء لکچر کے بعد موضوع سے متعلق سوالات کرتے ہیں، جن کی وضاحت کی جاتی ہے، اب تک الحمد للہ ارکچر ہو چکے ہیں، ان کا مجموعہ ”اسلامی عائی قانون“ کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے، جوان شاء اللہ آپ کے سامنے آئے گا۔

لکچر سریز میں شرکت ہونے والے متعدد وکلاء، جزو اور ماہرین قانون کے مشورے سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ اخري جماعتوں کے طلبہ کے لیے ہفتہ میں ایک دن ”لیگل لٹریسی کورس“ شروع کیا جائے، جس میں طلبہ کو دستور ہندوستانی قانون اور نظام حکومت کے بارے میں بیانیں بتائی جائیں، الحمد للہ اس سلسلے کا آغاز بھی چند مہینے پہلے ہو چکا ہے، اس پروگرام کو مرتب کرنے میں انگریل یونیورسٹی کے شعبہ قانون کے صدر جناب شیم احمد جعفری اور ان کے رفقاء نے نیز فیلی لارکچر سریز میں شرکت کرنے والے بعض جزو اور وکلاء نے بھرپور تعاون کیا، الحمد للہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ اس پروگرام سے بہت فائدہ محسوس کر رہے ہیں، جس میں دستوروں قانون کی بیانی دلیل معلومات حاصل ہو رہی ہیں، پورے ملک میں اس پروگرام کا استقبال کیا گیا اور اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، اللہ کرے یہ مفید سلسلہ جاری رہے اور اس کی افادیت میں اضافہ ہوتا رہے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کا بھی منصوبہ ہے کہ وکلاء کے لیے فیلی لاء سے متعلق اسلامی قوانین سے واقف کرنے کے لیے مختصر کورس تیار کیا جائے، خود وکلاء کی طرف سے اس طرح کے کورس

مال میں نصاب بن جاتا ہے اور سونے کے نصاب کو بنیاد بنا کر حساب کرنے میں اس مال کا مقدار نصاب بہت بڑھ جاتا ہے، سونے اور چاندی کی قیتوں میں غیر معمولی تقاؤت ہو جانے کی بنا پر بہت سے سوالات پیدا ہوئے ہیں جن پر غور کرنا اور شرعی حکم متعین کرنا علماء کی ذمہ داری ہے، اسی پس منظر میں اس موضوع کی بھی اس سیمینار کے موضوعات میں شامل کیا گیا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان موضوعات پر صحیح شرعی بنیادوں پر غور فکر کرنے اور فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اجتماعیت اور شورائیت میں خیر ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ”وَأَمْرُهُمْ شُورَى يَسِّئُهُمْ“ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے: ”وَشَاوِرُهُمْ فِي الْأَمْرِ“، ہمیں امید بلکہ یقین ہے کہ شرعی مسائل میں اجتماعی غور و خوض کا یہ طریقہ جو دور نبوت سے چلا آ رہا ہے اسے اختیار کرنے کی وجہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس فقہی سیمینار میں شرکت ہونے والے خاتر اس علمائے ربانیں کا کیا گیا متفقہ فیصلہ صواب و سداد کے موافق ہو گا، اور شریعت کے اصول و مقاصد سے ہم آہنگ ہو گا۔

مجلس تحقیقات شرعیہ جن کاموں کو انجام دے رہی ہے ان میں سے ایک اہم کام ”مسلم فیلی لارکچر سیریز“ ہے، ہر مہینہ میں خاص طور سے وکلاء اور ماہرین قانون کے لیے مسلم پرنسپل لاء کے کسی موضوع پر لکچر کا اہتمام ہوتا ہے، جس میں بڑی تعداد میں وکلاء، جزو اور قانون اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم شرکت کرتے ہیں، علمائے کرام کی اچھی خاصی تعداد بھی اس میں شرکت کرتی ہے، لکچر عام طور سے تحریری شکل میں ہوتا ہے، ہندی زبان میں اس کا خلاصہ پیش کرنے کی بھی کوشش کی جاتی ہے، الحمد للہ لکچر سریز کا یہ پروگرام بہت مفید

حmas کی پیش قدمی اور متوقع فوائد

فیصل احمدندوی

تو نین کا احترام نہیں کیا۔ اب تو دھڑلے سے اس کی وجہاں اڑا رہا ہے، مگر اس کا موآخذہ کون کرے اور کیوں کر کرے؟! جب کہ اہل نظر سے یہ بات تخفی نہیں کہ اقوام متحده کی بنیاد کا اہم ترین مقصد یہودی عزائم کی تجییل کی راہ ہموار کرنا ہے۔ اس لیے وہ آئے دن فلسطینیوں کے گھروں کو سمار کر رہے ہیں اور ان کی جگہ یہودی کالونیاں بسارتے ہیں، رہائشی علاقوں میں بمباری کر رہے ہیں، نو عمر لڑکوں کو حوالات میں بند کر رہے ہیں، بلکہ گولیوں سے بھون رہے ہیں، اور کسی نہ کسی بہانے مسجد اقصیٰ میں داخلہ پر چنگاں بلند ہوتی رہیں۔ اس عرصے میں ہزاروں اتنی بڑی کراخوں نے گزشتہ اپریل میں مسجد اقصیٰ پر بم گرا کر اس کو نقصان پہنچایا۔ کب تک یہ مظلوم فلسطینی چھوٹی موٹی کارروائیوں پر اکتفا کرتے! اسی کے بعد انہوں نے ٹھان لی کہ اب یہودیوں کو سبق سکھانا ہے۔

۲۰۲۳ء کی صبح کو جوان کا ہفتہواری چھٹی کا مقدس دن تھا، حmas کے مجاہدین نے یہودیوں پر ایسا سخت حملہ کیا کہ وہ تڑپ اٹھے، یہ حملہ زیمنی بھی تھا، سمندری بھی اور فضائی بھی۔ ایک طرف یہودی علاقوں میں گھس گئے، اسرائیل نے فلسطینیوں کی نقل و حرکت کو روکنے کے لیے مغربی کنارے پر جوز بردست آہنی کا نٹے دار دیوار قائم کی تھی، اس کو توڑ دیا۔ دوسری طرف کشتوں کے ذریعے اسراہیل علاقوں میں اتر کر کنشروں اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس سے بڑھ کر سب سے سخت ان کا فضائی حملہ تھا، مختصر وقت میں انہوں نے اسرائیلی ٹھکانوں پر پانچ ہزار راکٹ فائر کیے اور میزائل داغے کہ یہودی قوم تماملا اٹھی۔ حmas کو ایک بڑی

پھر ستمبر ۲۰۰۰ء میں یہ انقلابی آگ بھڑک اٹھی اور پورے فلسطین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، مگر عالمی طاقتوں کی مداخلت سے مصر کے شہر شرم اشخ میں ۸ فروری ۲۰۰۵ء کو جنگ بندی کے معابرے پر فلسطین کے نو منتخب صدر محمود عباس اور اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شارون نے دستخط کیے۔ اس طرح اس آگ پر راکھ کا ڈھیر ڈال دیا گیا، مگر اندر ہی اندر یہ آگ سلکتی رہی اور وقتاً فوقتاً اس کی چنگاں ہزاروں کیا مگر کبھی انہوں فلسطینیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس عرصے میں ہزاروں نے ہمت نہیں ہاری اور اسرائیلی جبر و ستم کا مقابلہ ایښ، پھر اور معمولی دیسی ہتھیاروں اور خود ساختہ راکٹوں اور میزائیلوں سے کرتے رہے اور شہادت کے نذرانے پیش کرتے رہے، اور نام نہاد طاقت ور مسلم ممالک تماشاد کیتھے رہے، اور ظالموں کے ہاتھ مردوڑنے کی کوشش کرنے کے بجائے مظلوموں ہی سے صبر و تحمل سے کام لینے کی اپیل کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ عالم اسلام کے حکمرانوں میں اسرائیل سے ہمدردیاں بڑھنے لگیں اور ایک سے زائد ممالک نے اسرائیل کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ اب تو عالم اسلام میں گویا اس کی ہوڑگی ہوئی ہے۔

اسراہیلی قبیلے کے بعد سے شاید کوئی دن ایسا گزرنا ہو جب فلسطینیوں کے جان و مال کا کچھ نہ کچھ نقصان نہ ہوا ہو! اسرائیل نے کبھی عالمی اسلامی بنیادوں پر مسجد اقصیٰ کے دفاع اور فلسطین کی آزادی کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں بڑا زبردست کردار ادا کیا۔

حدیں پار کر سکتا ہے۔ ان سطروں کے لکھے جانے تک خبریں آرہی ہیں کہ اسرائیل نے غزہ پر حملہ شروع کر دیے ہیں، رہائشی عمارتوں پر بمباری ہو رہی ہے، بھلی کاٹ دی گئی ہے، بلکہ پانی تک نہیں پہنچنے دیا جا رہا ہے۔ تاہم ان دو دنوں کی صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم فلسطینیوں اور مسلمانوں کے حق میں اس کے فوائد کا تجزیہ مندرجہ ذیل نقااط میں کر سکتے ہیں:

۱- اس سے اسرائیلی انجمن کا بھرم کھل گیا۔ یہ انتہائی منظم حملہ تھا اور نہایت سخت، مگر اسرائیل کی خفیہ تنظیم موساد کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ موساد کی مہارت کا پوری دنیا میں شہر ہے مگر اس کو آن جا پنی اوقات کا پتا چلا ہوگا۔

۲- فلسطینی قوم جس کو انتہائی کمزور سمجھا جاتا تھا، آج اس نے ایسی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے کہ ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اب اس نے ایسے میزائل تیار کر لیے ہیں جو ۱۱۰ کلومیٹر تک وار کر سکتے ہیں۔ پیراشوٹ نما گاڑیاں انہوں نے تیار کی ہیں جن سے وہ منٹوں میں اڑ کر دشمن کے حدود میں داخل ہو سکتے ہیں، چنانچہ اسی طرح وہ اسرائیلی علاقوں میں داخل ہوئے، اسرائیل کے کئی ہیلی کاپڑ انہوں نے مار گئے۔ اب اسرائیلی انھیں قلمہ ترسخنے کی کبھی غلطی نہیں کرے گا۔ مشہور صہیونی مضمون نگار آری شبیت نے سپر کے جملے پر ایک مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے: ”اسرائیل اپنی آخری سانسیں گن رہا ہے“، اس میں اس نے لکھا ہے کہ تاریخ کی سب سے سخت ترین قوم سے ہمارا سامنا ہے اور اس کا حل سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان کے حقوق کا اعتراف کیا جائے اور ان کی سرزی میں سے قبضہ

یہ پالیسی رہی ہے کہ وہ اسرائیل کے مقابلے میں فلسطین کے حقوق کی حمایت کرتا رہا ہے۔ بی جے پی کے بانی لیڈر اور سابق وزیر اعظم ایش بھاری باچپانی نے ایک موقع پر صاف کہا تھا کہ: اسرائیل عربوں کی جس زین پر قبضہ کر کے بیٹھا ہے وہ زمین اس کو خالی کرنا ہوگی۔ فلسطینیوں کو ان کا حق دینا ہو گا۔ عدل و انصاف کا پیمانہ ایک ہو۔ دوسری طرف دنیا کے انصاف پسند لوگ فلسطینیوں کی اس بہت و جرأت کو سلام کر رہے ہیں اور اس پر انھیں داد دینے پر مجبور ہیں۔ تیسرا طرف دنیا کے فوجی ماہرین اور تجزیہ نگار فلسطینیوں کی بھاری، طاقت اور شانیک پر انتہائی تجزیہ و استحباب کا اظہار کر رہے ہیں۔ ایک بڑا فوجی تجزیہ نگار کہتا ہے: میں مسلسل خبریں دیکھ رہا ہوں، مگر مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کچھ جو یہ ہو رہا ہے یا میں ہالی ووڈ کی کوئی فلم دیکھ رہا ہوں۔ یہ نتیجے فلسطینی بری، بحری اور فضائی تیونوں طرح کے حملے بیک وقت مختلف جگہوں پر کیسے کر رہے ہیں۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ فلسطینیوں کے پاس یہ قوت، یہ جرأت اور یہ صلاحیت ہے! اکتوبر کا یہ دن تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی جس طرح ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مصری و شامی ہے (یاد رہے کہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مصری و شامی مشترکہ فوجوں نے اسرائیل سے اپنے مقبوضہ علاقوں کو واپس لینے کے لیے جنگ کی تھی)۔

معلوم نہیں کہ اس جنگ کا حصہ تیج کیا ہو گا۔ کچھ کہنا قبل از وقت ہو گا۔ اسرائیلی حکومت بار بار دھمکی دے رہی ہے کہ فلسطینیوں کو اس کی قیمت چکانی پڑے گی، بلکہ اس نے بزرگانہ کارروائیاں شروع کر دی ہیں، وہ ذلت مٹانے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے اور بھڑاس نکالنے کے لیے ساری

کامیابی یہ ہاتھ آئی کہ یہودیوں کے ایک بہت بڑے فوجی جزل جو فلسطینیوں کے خلاف کارروائی کا انسچارج افسر ہے یعنی میجر جزل نمرود اروپی سمیت تین سے زیادہ فوجیوں کو ریغمال بنالیا۔ کل رات کی بخوبی کے مطابق سات سو یہودی اب تک مارے جا چکے ہیں اور زخمیوں کی تعداد بائیس سوتک پہنچ چکی ہے، جب کہ سینکڑوں کو قید کر لیا گیا ہے۔ اتنی بڑی تعداد اس سے پہلے فلسطینیوں کی گرفت میں کمی نہیں آئی۔ سپتھر کے دن پوری تین یہودی کالوں پر فلسطینیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اتوار کے دن اس میں اور اضافہ ہوا۔ اسرائیل کی سڑکیں سنسان ہو گئیں۔ اسرائیلی وزیر اعظم نے جھوٹا پروپیگنڈہ کیا کہ فلسطینی ہماری عورتوں اور بچوں کو مار رہے ہیں جب کہ جو ویڈیو سامنے آئی ہے، یہ اس کے خلاف پکھا اور ہی بتاتی ہے۔ ایک عورت بچوں کے ساتھ گھبرائی ہوئی گھر سے نکل آئی اور پناہ کی تلاش میں بھاگنے لگی، وہ عورت پورے کپڑوں میں نہیں تھی، فلسطینی مجاہد نوجوان اعلان کرنے لگے کہ کوئی عورت کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس کے ساتھ بچے بھی ہیں، ان کا خیال رکھو۔ اسے کپڑا اڑھاؤ، ہمارا دین اور ہماری اسلامی تہذیب ہمیں یہی سکھاتی ہے۔ ایریل شارون جھوٹ نہ بھی بولتے تو ان کو طاغوتی طاقتوں کی حمایت حاصل ہوئی جاتی۔

وزیر اعظم کی بوکھلاٹ کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ فوراً انہوں نے اپنی قوم کو بلکہ دنیا کو یہ پیغام دیا کہ ہم حالت جنگ میں ہیں اور امریکہ، جرمنی اور متعدد یورپ کے ممالک نے بلکہ ہندوستان کی حکومت نے بھی اعلان کر دیا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جب کہ ہندوستان کی ہمیشہ

ہونا چاہیے تھا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فلسطینیوں کی ہر ممکن مدد کرتے، وہ مدد کیا کرتے، ان کی بہت افزائی کی بھی انھیں بہت نہیں ہوئی، بلکہ اس کے بجائے ان مظلوموں کو اپنا حق دفاع استعمال نہ کرنے اور پیچا جمل سے کام لینے کی تلقین کرنے لگے !!

شیخ احمد یاسین نے پیشین گوئی کی تھی کہ ۲۰۲۷ء ختم ہونے سے پہلے اسرائیل کا وجود ختم ہو جائے گا۔ کیا یہ جنگ اسی کا پیش خیمہ ہے یا فلسطینی قوم کو اور آزمایشوں سے گزرنما پڑے گا اور مسجدِ اقصیٰ کے لیے مزید قربانیاں دینی پڑیں گی؟ بہر حال ہمیں خصوصی دعاوں کا اہتمام کرنا چاہیے کہ یہ جنگ فلسطینیوں کے حق میں بلکہ عام مسلمانوں کے حق میں بہتر ثابت ہو اور خیر کا باعث بنے۔ خدا نہ کرے کہ یہ کسی بڑے شر کا سبب بنے۔ واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

☆☆☆☆☆

چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔

۲- امید ہے کہ اب فلسطینی مکانات کی مساری اور یہودیوں کی آبادکاری کا سلسلہ بھی تھم جائے گا۔ بہت سے آبادکاری وقت ملک چھوڑ کر بھاگنے کے لیے ایرپورٹ میں بھیڑ لگائے نظر آرہے تھے اور بعض مالک نے بھی اعلان کیا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو اسرائیل میں مرنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے، ان کو واپس بلا لیں گے۔

۵- شاید اب بے غیرت نام نہاد وہ مسلم ممالک جنہوں نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہے یا تسلیم کرنے کی رسیں میں ہیں، وہ اب ہوش کے ناخن لیں اور سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ انہوں نے کتنی بڑی غلطی کی اور کر رہے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنے ساتھ بلکہ اپنی قوم کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اگر ان میں دینی غیرت اور اسلامی حمیت ہوتی تو کم از کم اس موقع پر وہ حماس کے اقدام کو صحیح قرار دیتے اور اسرائیل ہی کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے جیسا کہ قطر اور ترکی نے کیا، جب کہ اصل میں یہ

اٹھایا جائے۔ لگتا ہے کہ اب ہم اپنی طاقت نہیں واپس لا سکتے۔ اب اس ملک میں رہنے کا کوئی مزہ نہیں۔ دوسال پہلے روگل الفرنے جو تجویز پیش کی تھی اس کو رو بہ عمل لانا ضروری ہے، وہ یہ کہ اس ملک کو خیر باد کہا جائے۔

۳- ایک بہت بڑا فائدہ فلسطینیوں کو یہ حاصل ہو گا کہ ان کے ساری قیدی ان شاء اللہ جیل سے باہر آ جائیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اسرائیل کے بہت اہم کمانڈر نسرو الدار و فوجی سمیت متعدد فوجیوں کو فلسطینیوں نے یغماں بنا لیا ہے۔ اسرائیل کے لیے یہ بہت سخت معاملہ ہے کہ اس کے فوجی بلکہ فوجی کمانڈر فلسطینیوں کی قید میں ہوں، وہ کسی قیمت پر ان کو چھڑانے کی کوشش کریں گے۔ ۲۰۱۱ء میں اپنے ایک فوجی جلاء شالیط کے مقابلے میں اسرائیل نے ۲۰۱۷ء فلسطینیوں کو رہا کیا تھا۔ اب جب اس کے اتنے فوجی فلسطینیوں کے قید میں ہیں تو فلسطینی اپنے تمام قیدیوں کو آزاد کیے بغیر کے ان کے فوجیوں کو

مقصدِ بعثت اور فریضہ نبوت

مولانا مجیب اللہ ندویؒ

عام فتنہ و فساد اور معاشرہ کے عام بگاڑ کے وقت آدمی کا اپنے دین کو بچا لے جانا بھی بڑا کام ہوتا ہے، اور حدیث میں اس کی اجازت آئی ہے، لیکن بہر حال یہ رخصت کا پہلو ہے، عزیت ہی ہے کہ حق کی جودوں اسے فضل ایزدی سے ملی ہے، اس کو اپنے ہی تک محدود رکھنے کے بجائے دوسروں میں بھی تقسیم کرے، اس کو پھیلانے کے بجائے زندگی کے میدان میں آکر اس کی دعوت دے، دین کی جور و شق اس کے ہاتھ آئی ہے، اس سے اپنی ہی آنکھیں روشن نہ کرے بلکہ جو لوگ باطل کے گھٹائوپ اندھیرے میں سر ایسہ و سر گردان ہیں، ان کے ہاتھوں تک بھی یہ روشنی پہنچائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو سو شہیدوں کے برابر اجر مل گا، اور یہی لوگ ہیں جن کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”میری امت میں ہمیشہ کچھ ایسے لوگ موجود ہیں گے جو حق کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہیں گے، ان کو اس بات کی پرواہ ہو گی کہ کس نے ان کو چھوڑ دیا، اور کون ان کی خلافت کر رہا ہے، یہ گروہ قیامت تک اپنا کام کرتا رہے گا۔“

یہی کار عزیت ہے جسے انجام دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی ہے، چنانچہ انبیاء کرام کے مقصد بعثت اور فریضہ نبوت کے سلسلے میں قرآن مجید نے کھلے الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ: ”یہ کہ دین کو قائم کرو“، یہاں خدا نے قدوس نے حکم جس بات کا دیا ہے وہ یہ نہیں کہ دین پر قائم رہو بلکہ یہ ہے کہ دین کو قائم کرو۔

☆☆☆

و اشاعت کے لیے وقف کر دیا، نو عمری ہی سے نانا جان کے ساتھ لگے رہے، نانا جان کی خدمت کرنا اور ان کی کتابوں کو مرتب کرنا، ان کے نوٹس اور روزنامچوں کو محفوظ رکھنا ان کا معمول بن گیا، آپ نے اپنے بزرگ و مؤمن نانا جان سے سہارن پور میں

بھی استفادہ کیا اور مدینہ منورہ قیام کے دوران بھی حضرت کے علمی معاون بن کر خوب مستفید ہوتے رہے، اور ان کی دعاؤں اور توجہات کے مستحق بنتے رہے، مولانا نے اپنے علمی، تحقیقی و تصنیفی سفر کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بھی جاری رکھا، اور مدرسہ کے انتظامی امور کی ذمہ داری کو حسن طریقے سے انجام دیتے ہوئے تدریسی و تصنیفی کام سے اپنے آپ کو مستقل وابستہ رکھا۔

آپ علمی، تاریخی، دعویٰ، ادبی اور تحقیقی ذوق کے حامل تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے مظاہر علوم پر کئی جلدیوں میں کتاب لکھی، جن میں مظاہر علوم کے فارغین کے حالات، اساتذہ کرام اور مشائخ کے نام، کن سے کیا کیا کتابیں پڑھیں، اصلاحی تعلق کن سے قائم رکھا، مدرسہ سے فراغت کے بعد کن امور سے وابستہ رہے پوری تحقیق سے لکھا، مولانا کی یہ کتاب اپنے موضوع پر کمل مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن سہارنپور کے بھی دانشوران علماء اور مشائخ کے حالات اور ان کی خدمات پر مستقل علمی و تحقیقی کام کیا۔

مولانا محمد شاہد حسني رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ تو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کانڈھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں جن کے خاندان کا شمار ملک ہندوستان کے چند اہم علمی، دینی اور دعویٰ خانوادوں میں ہوتا ہے اور اس خاندان کے علماء و مشائخ پر بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، مولانا کا

مولانا محمد شاہد حسني سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

عبدالسلام خطیب ندوی

یہ یہاں کے تعلیمی نظام کا آخری سال ہے، تو فوراً فرمایا کہ سہارن پور آئیے گا، خیر! اس وقت تو کوئی خاص ارادہ نہیں بنا لیکن مولانا مرحوم کی مخصوصانہ دعوت اور اپنائیت کے ساتھ دیا ہوا محبت بھرا حکم کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف جو پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادے کے عنوان سے بار بار سہارن پور حاضری ہوتی رہی اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں خوب بیٹھنے کا موقع ملتا رہا۔ مظاہر علوم حاضری کے موقع پر اگر مولانا محمد شاہد رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف فرمائے ہو تو آپ بڑی خوشی کا اظہار فرماتے، قیام کا نظام معلوم کرتے، جب یہ بتایا جاتا کہ شیخ محمد یوسف جو پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان ہیں تو خوشی واطمینان کا اظہار کرتے۔

مولانا محمد شاہد رحمۃ اللہ علیہ کو پہلی مرتبہ دارالعلوم ندوة العلماء میں ایک تبلیغی اجتماع کے موقع پر دیکھا تھا جو حضرت جی مولانا امام احسان کانڈھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے چند ماہ بعد منعقد ہوا تھا جس میں بگلہ والی مسجد مرکز نظام الدین سے اکثر ذمہ دار حضرات تشریف لائے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے خالہ زاد بھائی و بہنوئی مولانا زیر احسان کانڈھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ندوہ کے مہمان خانہ میں تشریف فرماتے، مجھے دیکھتے ہی پوچھا کہ بھٹکل کے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو پھر غالباً یہ معلوم کیا کہ کس درجہ میں پڑھتے ہو؟ میں نے بتایا کہ فضیلت دوم میں ہوں،

سینیاروں اور جلوسوں میں بھی آپ کو دعوت دی جاتی تو آپ تشریف لے جاتے، ہمارے بیہاں بھٹکل میں بھی کافی دور ہونے کے باوجود جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی تاسیس پر پچاس سال گزرنے پر منعقدہ تعلیمی کنونشن میں تشریف لائے اور شریک پروگرام ہو کر اپنی مفید باتوں اور فیضی آراء سے نواز، مرکز نظام الدین اور مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے واپسی کی بناء پر دعوت و تبلیغ کے کارکنان سے بھی بڑا تعلق تھا، ہمارے ماموں مرکز نظام الدین کے مقیم مولانا محمد غزالی خطیب بھٹکل ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت اور بڑا تعلق تھا، کئی سال پہلے دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف آوری کے موقع پر ہمارے چھوٹے بھائی مولانا عبدالعیم خطیب ندوی (حال استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل و امام و خطیب جامع مسجد بھٹکل) جو اس وقت ندوہ میں پڑھ رہے تھے ان کو دور سے دیکھا تو قریب بلا کر پوچھا کہ مولانا محمد غزالی سے کچھ رشتہ داری ہے؟ بتانے پر کہنے لگے کہ پیشانی بالکل ان سے مل رہی ہے۔

بہرحال مولانا محمد شاہد حسین رحمۃ اللہ علیہ ایک بھرپور علمی، تصنیفی، دعوتی، تحقیقی اور انتظامی امور میں معروف، مفید و قابل تقلید زندگی گزار کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، پسمندگان کو صبر جبیل سے نوازے، خصوصاً آپ کے جانشیں، علمی و نسبی وارث مولانا مفتی محمد صالح زید مجده کو حوصلہ و قوت عطا فرمائے اور مدرسہ کی ذمہ داریوں اور مولانا کے کام کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

کے حالات، دعوتی خدمات، مختلف امور و معاملات میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی آراء اور اپنے سلف کے منتج و مزاج سے جڑے رہنے وغیرہ صفات کو مرتب کر کے ایک مختین کتابی شکل میں شائع کر کے ایک طرح سے دعوت و تبلیغ کی ایک تاریخ مرتب و محفوظ کر دی۔

مولانا محمد شاہد سہار پوری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ مظاہر علوم کے ایک ذمہ دار تھے اور اپنی نو عمری سے ہی اپنے بڑوں کی مجالس و صحبت سے مدرسہ کے مقاصد اس کی اساس اور اس کے عملی امور سے بھی خوب واقف تھے، اس لیے آپ اپنی انتظامی ذمہ داری کو بڑی تتدھی کے ساتھ انجام دینے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے، مدرسہ کو علمی اعتبار سے آگے بڑھانے اور تیزی طور پر منظم کرنے میں آپ نے اپنی پوری صلاحیت لگادی۔ مدرسہ کے لیے مزید جگہ خریدی، تعمیرات میں اضافہ کیا، کئی نئے علمی شعبے شروع کرائے، اردو عربی مجلات شائع کرنے کی طرف توجہ کی، بعض حدیث کی کتابوں کی تحریث و تحقیق پر مدرسہ کے بعض فضلاء کو لوگایا اور اس کی نشورو اشاعت کا اہتمام کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے ان علمی، دعوتی اور انتظامی ذمہ داریوں کا چھانداز سے انجام دینے کے ساتھ ساتھ سفر بھی خوب کرتے تھے، جب تک آپ کے خالو اور خسر مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ زندہ رہے، عام طور پر دعوتی اسفار اور تبلیغی اجتماعات میں حضرت جی کی امارت و قیادت میں قافلہ کے شریک ہوتے رہے، اسی طرح بعض علمی و تحقیقی کاموں کے لیے بھی آپ سفر کرتے تھے، مدرسہ کے امین عام اور وہاں کے انتظامی امور کے ذمہ دار تھے تو مدرسہ کے تعلق سے بھی آپ کو سفر کی ضرورت پڑتی تھی، عام طور پر مختلف

آبائی تعلق مغربی یوپی کے سادات کرام سے تھا، آپ کے دادا مولانا حکیم سید محمد ایوب رحمۃ اللہ علیہ حاذق طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے عالم و فاضل اور اپنے زمانے میں مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرستوں میں تھے، آپ کی اولاد و احفادہ میں علماء و حفاظت کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جس میں شیخ العدیث و شیخ وقت و جامعہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ و سربراہ حضرت مولانا سید محمد عاقل سہار پوری بھی ہیں۔ مولانا مرحوم کے والد حکیم محمد الیاسؒ مظاہر علوم کے فارغ، شیخ العدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے داما اور آپ کی کتابوں کے ناشر، خاموش مزاج اور بڑے نیک انسان تھے۔ مولانا محمد شاہد رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ مرحومہ حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دختر نیک اختر تھیں، مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد شاہد رحمۃ اللہ علیہ کے خالو بھی تھے، اس اعتبار سے آپ کو حضرت جی ثالث رحمۃ اللہ علیہ سے خوب استفادے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی و تربیت میں رہنے اور آپ کی سرپرستی میں دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے کا بھی خوب موقع ملا اور آپ نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ کی سیرت اور دعوتی اسلوب و حکمت پر تفصیل کتاب لکھ کر اپنے استفادے کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت جی کے علوم و معارف کو محفوظ کر کے بعد میں آنے والوں کے لیے علمی و دعوتی بیش قیمت تھفہ پیش کیا، اسی طرح آپ نے اپنے خالہزاد بھائی و بہنوئی اور حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے فرزند و جانشیں مولانا محمد زیر الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان

تَرْكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ، فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الْثُمُنُ مِمَّا تَرَكُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُونَ بِهَا أَوْ دِينِ» [النساء: ۱۲] (اور جو تم چھوڑ جاؤ ان میں ان کے لیے چوتھائی ہے، اگر تمہارے اولاد نہ ہو، اور اگر تمہارے اولاد ہو تو تم جو بھی چھوڑ جاؤ اس کا آٹھواں حصہ ان کا ہے، اس وصیت کو نکالنے کے بعد جو وصیت تم کر جاؤ، یا قرض کی ادائیگی کے بعد)۔

بیوہ عورت اب چونکہ شوہر کے سایہ سے محروم ہے، اس لیے معاشرہ کے اندر پیش آنے والے خطرات کی وجہ سے قرآن کریم نے اسی عورت کو رشیۃ ازدواج میں مسلک کرنے کے لیے اس کے اولیاء کو خطاب کیا ہے: «وَأَنِّكُحُوا الْأَيَامَيْ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ» [سورہ نور: ۳۱] (اور اپنے میں سے بے شوہروالی عورتوں کا نکاح کراؤ، اور غلاموں اور باندیوں میں نیک افراد کا)۔

زبان رسالت نے بیوہ عورت کے سلسلہ میں کوشش کرنے والے افراد کی ہمت افزائی کی ہے، اور زبردست بشارتیں سنائی ہیں، صحیح بخاری کتاب الادب [۵۳۵۳] میں ہے: الساعی على الأرمدة والمسكين كالمحاذف في سبيل الله، اور حاملہ عورتوں کے بارے میں قرآن کریم کا حکم ہے: «وَأَوْلَاثُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضْعَنَ حَمْلَهُنَّ» [الطلاق: ۵] (اور جو عورتیں حاملہ ہیں ان کی عدت ہے کہ ان کو وضع حمل دن بھر روزہ اور رات بھرنماز پڑھا کرے)۔ ایک دوسرے حدیث میں بیوہ کی فضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”میں اور محنت و مشقت کے سبب کالی پڑ جانے والی یوں قیامت کے دن مرتبہ میں ان دونالگیوں کی طرح قریب ہوں گے، وہ حسن و جمال اور جاہ و عزت والی یوں جو شوہر کے

بیوہ اور مطلاقہ کے ساتھ حسن سلوک

اسوہ نبوی کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد فرمان ندوی

رسول انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی آیات کے ذریعہ بیوہ عورت کے سوگ کی حد مقرر کی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: «وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذْرُوْنَ أَرْوَاحًا يَتَرَبَّصُنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةٌ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، فَإِذَا بَلَغُنَ أَجَلُهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ» [البقرة: ۲۳۲] (اور تم میں جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ بیویاں چار میہنے دس دن اپنے آپ کو روک رکھیں، پھر جب وہ اپنی عدت کی مدت پوری کر لیں تو وہ اپنے لئے جو بھی بھلانی کے ساتھ کارروائی کریں، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے)۔

اوہ عورتوں کے بارے میں قرآن کریم کا حکم ہے: «وَأَوْلَاثُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضْعَنَ حَمْلَهُنَّ» [الطلاق: ۵] (اور جو عورتیں حاملہ ہیں ان کی عدت ہے کہ ان کو وضع حمل ہو جائے)۔

عدت کی مذکورہ مدت گزارنے کے بعد عورت دوسرے نکاح کی مجاز ہوتی ہے، مزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وراشت میں عورت کے حسن کو معین کر کے یہ ثابت کر دیا کہ بیوہ عورت ایک محترم اور باعزت فرد ہے: «وَلَهُنَ الرُّبُعُ مَمَّا کر سکی، ہندو مذہب میں یا تو شوہر کی لاش کے ساتھ اس کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا، یا وہ پوری زندگی سوگ میں گذارتی تھی، عربوں میں بھی وہ دارثوں کی ملکیت شمار کی جاتی تھی۔

اور یہ زنجیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھیں، حضرت نبی کی عمر اس وقت ۲۰ رسال تھی، نکاح کے دو سال کے بعد انتقال ہو گیا، ان کی کنیت ام المسکین ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ام سلمہ

اپنے شوہر عبد اللہ بن عبد الأسد کے ساتھ جشہ کی طرف بھرت کی، اور واپس آئیں، غزوہ احمد میں ان کے شوہر کی شہادت ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۲۰ رسال تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرپرستی قبول فرمائی۔

حضرت ام حبیبہ بنت

ابی سفیان

اپنے شوہر کے ساتھ جشہ کی طرف بھرت کی، شوہر کا وہیں انتقال ہو گیا، واپس مکہ نہ جا کر مدینہ منورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں، ابوسفیان ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے جب یہ معاملہ سنتا تو ان کی عداوت اسلام میں کچھ کمی آئی، اور رسول اللہ کے متعلق فرمایا: هو الفحل الذی لا یجدع أفسه (وہ ایسے فرد ہیں، جن کی ناک نہیں کائی جاسکتی)۔

حضرت صفیہ بنت

حیثی بن اخطب

یہ غزوہ خیر میں اپنے شوہر کے قتل کیے جانے کے بعد مسلمان کے ہاتھوں قید ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دیا، لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہنا پسند کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل بستگی کے لیے ان سے نکاح کیا۔

حضرت جویریہ بنت حارث

ان شوہر مسافع بن صفوان تھے، مریمیع کی

مسلم کی ساری اولادیں کے بطن سے ہوئیں، سوائے حضرت ابراہیم کے جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

حضرت خدیجہ بنت حضرت ام سلمہ

اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی خصوصی اجازت اور دینی مصالح کے پیش نظر دس مزید نکاح فرمائے، جن میں سے آٹھ بیوہ تھیں: حضرت سودہ، حضرت حفصہ، حضرت نبی بنت خزیمہ ام المسکین، حضرت ام سلمہ، حضرت جویریہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت میمونہ، حضرت صفیہ۔ یہ حضرات ام حفظہ المؤمنین اور ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک سارے انسانوں کے لئے بہترین نمونہ اور قابل تقید اسوہ ہے۔

حضرت سودہ بنت ذممعہ العدویة

یہ حضرت خدیجہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں، اور کبرتی کو پہنچ چکی تھیں، اس لیے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی تھی، جشہ کی طرف بھرت کرنے والی خواتین میں تھیں، ان کے شوہر کا بھرت جشہ سے واپسی کے بعد انتقال ہو گیا، ان کا کوئی سرپرست نہیں تھا، اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لیے پیش کیا، اور آپ نے ان کی کفالت بقول فرمائی۔

حضرت حفصہ بنت عمر

یہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی ہیں، حضرت حمیس بن حذافہ انصاری کی بیوہ ہیں، حضرت حمیس بدر میں شہید ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہید (حمیس بن حذافہ) اور حضرت عمرؓ تکریم میں حضرت حفصہ سے نکاح کیا۔

حضرت ذینب بنت خزیمہ

حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب ان کے شوہر تھے، بدرہی میں ان کا انتقال ہو گیا،

مرنے کے بعد بیوہ ہو جائے، لیکن اپنے نفع یتیم بچوں کی خدمت کی خاطر اپنے کوروکے رکھے، بیہاں تک کہ وہ اس سے علاحدہ ہو جائیں یا مرجائیں۔ [سنن ابو داود، کتاب الادب، باب فضل من عالیٰ بتیما: ۵۱۶۹]

محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سرسر فراز کیے جانے سے پہلے بھی جو قابل رشک زندگی گزاری، وہ بھی ہمارے لیے عبرت و نصیحت کی شاہراہ کھلوتی ہے، نبوت سے پہلے آپ کا مزاج یہ تھا کہ آپ غربیوں کے کام آتے، محتاجوں کی مدد کرتے، پریشان حال لوگوں کی پریشانیوں کو دور کرتے، اور بوجھ سے لدے ہوئے انسان کی بوجھ کو اٹھاتے اور اس کو منزل مقصد تک پہنچاتے، بھی وجہ ہے کہ آپ نبوت سے پہلے ایک بیوہ خاتون کے مال تجارت کو لے کر شام گئے اور نفع بخش تجارت کی، اس تجارت میں امانت و صداقت کے اصولوں کو خوبصورت شکل میں برتا، جس سے وہ بیوہ خاتون غیر معمولی متاثر ہوئیں، اور جب آپ کے نکاح کا پیغام ان کے پاس پہنچا، تو انہوں نے اس کو بسر و چشم قبول کیا۔

بیوہ خواتین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عین عقوال شاہب میں جب کہ آپ کی عمر ۲۵ رسال تھی، ایک ۳۰ رسال کی خاتون سے نکاح کرنے کو ترجیح دی، وہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں، رضی اللہ عنہا و راضاها۔ انتقال کے وقت حضرت

خدیجہؓ کی عمر ۵۶ رسال تھی، ۲۵ رسال آپ نے انہیں کے ساتھ گزارا، اس درمیان کسی دوسرا خاتون سے نکاح نہیں کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ

نکاح ثانی کا اختیار دینا ہے، قرآن کریم کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ: فَلَا تَعْضُلُونَ أَنْ يَئْكُحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَأَضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ (اور ان کو مجبور نہ کرو کہ وہ دوسرا نکاح نہ کر سکیں، اگر وہ بھلائی کے ساتھ آپس میں اس پر راضی ہو جائیں) [البقرۃ: ۲۳۲]۔

☆ مطلقہ کے لیے مہر کی واپسی کی بھی سہولت اسلام میں بعض شرطوں کے ساتھ رکھی گئی۔

☆ اسی طرح مطلقہ کے ساتھ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں حسن سلوک ہی نہیں، بلکہ پوری ذمہ داری کی وضاحت موجود ہے۔

امہات المؤمنین میں حضرت زینب بنت جحشؓ وہ خاتون ہیں، جو پہلے حضرت زید بن حارثؓ کے نکاح میں تھیں، ان سے اُن کا نباہ نہیں ہو سکا، چنانچہ حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن الہی ان سے نکاح کیا، اور یہ نکاح جہاں ایک اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے تھا کہ تینی اپنا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا، اس لیے اس کی منکوحہ اس کے عرفی باب کے لیے حرام نہیں ہوگی، وہیں دوسری طرف مطلقہ کو اعزاز بھی دینا تھا کہ ایک مطلقہ کوئی اچھوت نہیں ہے، بلکہ وہ زندگی کا ایک تیقتی سرمایہ ہے، سورہ احزاب [۳۶-۳۰] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا پوری صراحت کے ساتھ تذکرہ موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہود اور مطلقہ ہی نہیں، بلکہ معاشرہ کے تمام کمزور افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعلیمین پوری طرح نمایاں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن سلوک کے ذریعہ ایسی مثال قائم کی، جو تاقیامت انسانیت کے لیے باعث رحمت اور اطمینان بخش ہے۔

☆☆☆☆☆

اجازت دی ہے، وہ بھی طلاق سنت کے مطابق، طلاق سنت یہی ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے، لیکن اس کو بھی زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مکروہ عمل قرار دیا ہے [سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق: ۲۱۶۸] اور بتایا کہ تین چیزیں اگر تفریخ میں بھی ادا کی جائیں تو واقع ہو جاتی ہیں: نکاح، طلاق، رجعت [سنن ابو داؤد: ۲۹۴۳]،

و سنن ترمذی: ۱۸۸، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۹، حاکم: ۱۹۸/۲] اور تین طلاق کے عمل کی تو بہت شدت سے نکیر فرمائی ہے: أَيْلُعبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهَرِكُمْ (کیا میری موجودگی میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کھلواڑ کیا جائے گا) [سنن نسائی: کتاب الطلاق: ۳۲۰۱]، یہی مطلب ہے اس قرآنی آیت: الطلاق مرتان فاما سک بمعرفوٰ أو تسریح باحسان کا، وطلاق میں رجعت کا حق حاصل ہوتا ہے، تیسری میں رجعت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام میں نفقة کا وجوب یا تو نکاح یا عدت یا نسب او قرابت کی بنیاد پر ہوتا ہے، اور اس کی معنوں دصورتیں ہوتی ہیں، ذیل میں بعض شکلوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

☆ مسئلہ طلاق میں مطلقہ کے ساتھ حسن سلوک کا یہ نظام کہ مطلقہ کے لیے نفقة اور سکنی کا اہتمام کیا جائے، یہ بھی ایک انسانی ضرورت کی تکمیل ہے، کیونکہ اگر طلاق دیتے ہی مطلقہ اپنے میکہ یادگیر مقامات کی طرف چلی جائے تو پھر شوہر کے لیے رجعت میں دشواری پیش آئے گی، اور فریقین کے تعلقات مزید کشیدہ ہوں گے۔ عدت کے زمانہ میں عورت کے نفقة کا انتظام کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے۔

☆ مطلقہ کے ساتھ حسن سلوک میں اس کو

جنگ میں قتل کر دیے گئے تھے، یہ بنی المصطلق کی خاتون تھی، آپ نے جب بنی المصطلق کو فتح کیا تو یہ قید ہو کر آئیں، انہوں نے خودا پر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے نکاح میں قبول کیا، اس کے بعد تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا، اس آزادی کا پروانہ سن کر سارا بغا المصطلق حلقہ گوش اسلام ہو گیا۔

حضرت میمونہ بنت حارث

یہ ابوہم بن عبد العزیز کی زوجہ تھیں، ان کا انتقال ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔ [المرأۃ فی الاسلام وقبلہ: دراسة مقارنة از سعید بن عبد اللہ سیف حاتمی: ۲۲۸-۲۲۲]

مطلقہ کے حسن سلوک

طلاق ایک ناگزیر انسانی ضرورت ہے، فریقین کی زندگی جب اجریں ہو جائے، اور ایک دوسرے کے ساتھ رہنا مشکل ہو تو اسلام نے اس کو حل کرنے کے لیے سب سے پہلے وعظ و نصیحت پھر بستر الگ کرنے، پھر ہلکی مار مارنے، پھر دو حکم کے ذریعہ مسئلہ کو حل کرنے کا نظریہ پیش کیا ہے، خواتین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک کے بے مثال نمونے ہیں، ایک موقع پر آپ موقع پر فرمایا: لَا يُفرِكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، اذَا كرہَ مِنْهَا خَلْقًا، رضى منها آخر [السنن للبيهقي: ۱۵۱۲۳] (کوئی مؤمن کسی مؤمنہ کو نہ چھوڑے، اگر ایک عادت اس کی ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری خوش کن) اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا: استوصوا بالنساء خيراً [السنن الکبری للبيهقي: ۱۵۱۱۹] (عورتوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت قبول کرو)۔

اس کے بعد بھی اگر معاملہ عقدہ لا تخلی ہے تو نظام طلاق کو اصول کی روشنی میں اختیار کرنے کی

رپورٹ سے روزہ پانچویں ہی سیمینار

مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ موئیخہ ۲۰۲۳ء۔ ۲۲ اکتوبر ۲۰۲۳ء

کلیم اللدھان ندوی / محمد رغوب الرحمن ندوی

عالم ندوی، مفتی محمد سعید حسن حنفی ندوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، اسی طرح تمام نشتوں میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ و طلبہ نیرملک کے متعدد معاهدوں مدارس کے منتخب طلباء اور معززین شہر بھی شریک ہوئے۔

اس سیمینار کے تین اہم موضوعات تھے:

- ۱۔ مساجد میں خواتین کی آمد کا مسئلہ
- ۲۔ عوامی مقامات پر نماز کا مسئلہ
- ۳۔ سونے چاندی کا معیار نصاب اور خصم نصاب کا مسئلہ

جن پر پانچ نشتوں میں طویل علمی بحث و مناقشے کے بعد اہم تجاویز متنظر کی گئیں۔ نشتوں کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں:

افتتاحی نشست

اس سیمینار کی افتتاحی نشست مورخ ۲۰ اکتوبر ۲۰۲۳ء مطابق ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ بروز جمعہ بعد نماز مغرب (ناظم ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حنفی ندوی کی صدارت میں منعقد ہوئی، آپ نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ: ”زمانہ برائی تغیر پذیر ہے، نت نے مسائل کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں، ان مسائل کا حل پیش کرنا علماء کی ذمہ داری ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ علماء اور فقهاء اپنی نظر میں وسعت پیدا کریں اور غور و خوض کے دائے کو وسیع کریں۔“ انہوں نے کہا کہ: ”نت مسائل میں اجتہاد کے لیے صلاحت اور توسعہ دونوں ضروری ہیں۔“ مزید فرمایا کہ: ”آن ہر طرف بگاڑ ہے، فتنہ و فساد ہے، مشکل حالات اور چیلنجز ہیں، ایسے میں علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کی رہنمائی کریں اور نیابت رسول کافریضہ انجام دیں۔“

مجلس تحقیقات شرعیہ کے سکریٹری مولانا

بیسویں صدی کے وسط میں عالم اسلام کے اندر نئے مسائل پر اجتماعی غور و خوض اور اجتماعی اجتہاد کی جو آواز بلند ہوئی، اس کی گوئی ہندوستان تک پہنچی، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اپنے چند بلند پایہ معاصرین کے مشورے سے بر صیری ہندو پاک کے نئے فقیہی مسائل پر اجتماعی اجتہاد و استنباط کے لیے ۱۹۶۳ء میں مجلس تحقیقات شرعیہ کی داغ بیل ڈالی، اس مجلس کے ارکان میں ملک کے اکثر ماہرین فقہ و شریعت شامل رہے ہیں، اس مجلس نے اپنے قیام کے ابتدائی چند برسوں میں متعدد شرعی مسائل پر اہم تجاویز اور تحقیقات پیش کیے، جو مقبول ہوئے، فروری ۲۰۲۰ء میں اس مجلس کا دوبارہ احیاء کیا گیا اور اس نے پاضابطہ کام کرنا شروع کیا، سب سے پہلے مجلس نے اپنے قدیم ریکارڈ اور تحقیقی مضمایں و مقالات کی حفاظت و اشاعت پر توجہ دی، جو رسائلے اور کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، ساتھ ہی فیملی لاپر مالہ نہ خطبات کا سلسلہ شروع کیا گیا، جن میں علماء، وکلا شریک ہوتے ہیں اور باہم تبادلہ خیال کرتے ہیں، اس کے علاوہ مجلس نے قرآنیات کے موضوع پر علمی کام کا نظام بنایا ہے، جس کے تحت دارالعلوم کے متعدد اساتذہ کو موضوعات دیے گئے ہیں اور انہوں نے کام شروع کر دیا ہے، نیز فقیہی مذاکروں کا بھی سلسلہ از سر نوشروع کیا گیا، جس کا پہلا کامیاب

سلسلہ دو روزہ چوتھا فقیہی سیمینار مورخہ ۲۳-۲۴ نومبر ۲۰۲۲ء ہے، اس میں کرونا، سودی کار و بار اور سرکاری قرضہ کی حل و حرمت جیسے موضوعات پر تجاویز پاس کی گئیں۔

اس کا دوسرا کامیاب سلسلہ سد روزہ پانچویں فقیہی سیمینار منعقدہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۲۳ء ہے، یہ سیمینار دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عظیم الشان ہال علامہ حیدر حسن خان ٹوکی میں منعقد کیا گیا، اس سیمینار میں ملک بھر کے ۷۵ سے زائد منتخب علماء، ممتاز اصحاب افقاء اور نئے مسائل پر لکھنے والے نوجوان فضلاء نے شرکت کی، جن میں مولانا عبید اللہ اسعدی (جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ) مولانا رحمت اللہ کشمیری، مفتی جبیب اللہ قاسمی (اعظم گڑھ)، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی اختر امام عادل قاسمی (سمتی پور)، مفتی عبدالرزاق قاسمی (دیوبند)، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (دہلی)، مفتی انور علی عظی، مفتی امانت علی قاسمی (دیوبند)، مفتی تنظیم عالم قاسمی (حیدرآباد)، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی (پھلواری شریف)، مفتی خورشید انور عظی، مفتی محمد ذاکر نعمانی (بے پور)، ڈاکٹر فہیم اختر ندوی (حیدرآباد)، ڈاکٹر کلیم اللہ عمری (عمرآباد)، مفتی محمد عثمان بستوی (جونپور)، مولانا ابو بکر قاسمی (درجہ مکمل)، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی (دیوبند) اور قاضی محمد حسن ندوی (گجرات)، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، مفتی ظفر

بھی ہوتا رہے گا، یہ وقت کی ضرورت ہے اور زمانہ کا تقاضہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ: ”علماء کو چاہیے کہ وہ فتویٰ دینے میں دوراندیشی، حالات سے واقفیت اور اختیاط سے کام لیں نیز شرعی مسائل کو حل کرنے میں پوری دیانت داری کا بہوت دین۔“

افتتاحی نشست کی نظمت مولانا رحمت اللہ ندوی (استاذ حدیث و فقه دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے کی۔ اس کا آغاز قاری محمد ریاض مظاہری (صدر شعبہ تجوید و قرأت، دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی تلاوت سے ہوا، ترانہ ندوہ محمد ندیم اور ان کے رفقاء نے پیش کیا۔ مولانا کمال اختر ندوی (مشیر ناظر عام ندوۃ العلماء) نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ مولانا منور سلطان ندوی (رفیق علمی مجلس تحقیقات شرعیہ) نے مجلس تحقیقات شرعیہ کی کارکردگی پر مشتمل منتشر اور جامع روپورٹ پیش کی۔ جب کہ آخر میں مفتی محمد ظفر عالم ندوی (استاذ حدیث و فقه دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے سیمینار کے لیے جو موضوعات طے کیے ہیں، وہ زمانہ کی ضرورت ہیں۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس مناسبت سے مجلس تحقیقات شرعیہ کی درج ذیل مطبوعات و دیگر کتب کا اجر اصدر گرتم و دیگراہم مہماں کے بدست ہوا:

- ۱۔ مجلس تحقیقات شرعیہ کے اہم فیصلے از مولانا اسٹھن سند یلوی ندوی (دوسرا یہش)

- ۲۔ اجتہاد اور کاراجتہاد از مفتی عتیق احمد بستوی
- ۳۔ کرونا متعلق اہم مباحث از مولانا رحمت اللہ ندوی
- ۴۔ جائیج کرونا۔ تضالی و حلول از مولانا رحمت اللہ ندوی
- ۵۔ سرکاری قرضے از مولانا رحمت اللہ ندوی

(دوسرا ایڈیشن)

- ۶۔ اسلامی عائی قوانین از مولانا منور سلطان ندوی
- ۷۔ نوازل الفقه از مولانا اختر امام عادل قاسمی

کی نہادہ ثانیہ بہت ہی مبارک قدم اور لائق ستائش عمل ہے، آج کے دور میں نئے مسائل کی کثرت ہے، ایسے میں اجتماعی غور و فکر کی سخت ضرورت ہے۔ نیز یہ بھی کہا کہ: ”مسلم فیلی لا سے وکلا کو اتفاق کرانا ضروری ہے۔“

مفتی حسیب اللہ قاسمی (مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم، مہذب پور، اعظم گڑھ) نے اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ”جو علماء ہمارے درمیان موجود ہیں وہ بہت ہی قابل قدر ہیں، ملت پر لازم ہے کہ وہ علماء سے رہنمائی حاصل کرے، تاکہ اس کا دین واہیان سلامت رہے۔“ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریٹری جماعت اسلامی ہند) نے اپنے تاثرات و جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ: ”موجودہ دور میں فضلاء ندوہ کی فقہی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا ہے، یہ قابل ستائش ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ: ”مجلس تحقیقات شرعیہ نے سیمینار کے لیے جو موضوعات طے کیے ہیں، وہ زمانہ کی ضرورت ہیں۔“

مفتی عبد الرزاق قاسمی (استاذ دارالعلوم دیوبند) نے اپنے تاثراتی کلمات میں کہا کہ: ”فقہی ادارے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے پوے ہیں، جن کی آمیاری قیامت تک اللہ تعالیٰ خود کرتا رہے گا، مجلس تحقیقات شرعیہ اسی طرح کا ایک پوہا ہے، جس کا کام عصر حاضر کے شرعی مسائل کو حل کرنا ہے۔“ انہوں نے مزید کہا کہ: ”اجتماعی غور و خوض میں غلطی کا امکان کم ہوتا ہے، اس لیے علماء کو چاہیے کہ انفرادی اجتہاد کے بجائے اجتماعی اجتہاد کو ترجیح دیں۔“

مولانا مفتی نیاز احمد ندوی (صدر دارالاوقاء، ندوۃ العلماء) نے فرمایا کہ: ”مجلس تحقیقات شرعیہ کے ذریعہ بہت مفید کام ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ تاثراتی خطاب میں کہا کہ: ”مجلس تحقیقات شرعیہ

عتیق احمد بستوی نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ: ”نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتماعی غور و خوض اور اجتہاد کا سلسلہ قدیم دور سے چلا آ رہا ہے، شرعی دلائل کی روشنی میں نئے مسائل کو حل کرنا بہت نازک اور نہایت ذمہ دار اہم عمل ہے، یہ کام انہیں خدا ترس، زمانہ شناس علماء اور فقہاء کا ہے جن کی شرعی دلائل پر گہری اور وسیع نظر اور جن کے اندر مسائل کو مستطب کرنے کی بھرپور صلاحیت ہو۔“

مولانا موصوف کا یہ کلیدی خطبہ طویل، مفصل اور مطبوعہ شکل میں تھا، جو مندو بین میں تقسیم بھی کیا گیا اور مولانا محترم نے مکمل پڑھ کر بھی سنایا۔ مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی (عمید کلیت الشریعہ و اصول الدین، دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا کہ: ”ہر زمانے میں علماء کرام نئے مسائل کو حل کرنے کی اپنی بساط بھر کوشش کرتے ہیں اور اس طرح اجتماعی اور انفرادی دونوں سطح سے ملت کی رہنمائی کرتے ہیں، آج کا یہ سیمینار اسی سلسلہ کی اہم ایک کڑی ہے۔“

مفتی عبد اللہ اسعدی (شیخ الحدیث جامعہ عربیہ، ہتھورا، باندہ) نے اپنے خصوصی خطاب میں کہا کہ: ”مجلس تحقیقات شرعیہ کے تحت بڑا مفید علمی اور تحقیقی کام ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے علماء کو علم کی دولت سے نوازا ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملت کی رہنمائی کریں۔“ مزید یہ بھی کہا کہ: ”اجتماعی غور و خوض وقت کی بڑی ضرورت ہے، لوگ بے چین اور پیاسے ہیں، ان کی تشکیل کا سامان فراہم کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔“

مولانا رحمت اللہ قاسمی کشمیری (ناظم دارالعلوم رحیمیہ، بانڈی پور، کشمیر) نے اپنے تاثراتی خطاب میں کہا کہ: ”مجلس تحقیقات شرعیہ

ربانی منورا شریف، سمیت پور) کی صدارت میں منعقد ہوئی، نشست کا باضابطہ آغاز مولانا ظفر الدین ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ شان بی میں عبداللہ عتبان (متعلم تکیل: دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے نذرانہ عقیدت پیش کیا، اس کے بعد عرض مسئلہ ڈاکٹر فہیم اختر ندوی نے بہت عمدہ پیش کیا، پھر علماء کے درمیان اس موضوع پر مذاکرہ ہوا۔

بطور مہمان خصوصی ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریپٹی جماعت اسلامی ہند) نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بنایا ہے، یہ فطرت کے مطابق ہے اور زمانہ کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، علماء کو چاہیے کہ امت کے لیے نئے سائل میں آسانیاں پیدا کریں۔“ مزید کہا کہ: ”ہمیں اپنی رائے پیش کرتے وقت دوسرے فقہاء اور ائمہ کا احترام کرنا چاہیے، ادب کے ساتھ اختلاف رائے نہ موم نہیں ہے۔“

مولانا عقیق احمد بستوی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ”شریعت نے جو معیار طے کر دیا ہے، ہم اس کو تبدیل نہیں کر سکتے، لیکن ہم اس میں غور و خوض کر کے امت کے لیے نی راہیں تلاش کر سکتے ہیں، یہی علماء کرام کی ذمہ داری ہے۔“

صدراتی خطاب کرتے ہوئے مفتی اختر امام عادل قاسی نے کہا کہ: ”شریعت میں ہر مال کا نصاب اس کے مزاج کے اعتبار سے معین کیا گیا ہے، اس میں موافق تلاش کرنا روح شریعت کے خلاف ہے۔“ انہوں نے کہا کہ: ”عبادات میں احتیاط مطلوب ہے، جب کہ معاملات میں آسانی کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔“ نیز کہا کہ: ”فقہاء اور مجتہدین نے پیش

خیال کیا، پھر آدھے گھنے کے لیے چائے کا وقفہ ہوا۔ تیسرا نشست

وقہ کے بعد سینما کی تیسرا نشست اسی وقت گیارہ بجے دن زیر صدارت مفتی عبد الرزاق قاسمی (استاذ دارالعلوم دیوبند) منعقد ہوئی، اس کا موضوع تھا: ”مسجد میں خواتین کی آمد کا مسئلہ۔“ نظمات مولانا محمد نصر اللہ ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے کی۔ نعت نبی محمد عاصم عارف (متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے پیش کیا۔ مفتی محمد ظفر عالم ندوی نے مذکورہ موضوع پر عرض مسئلہ پیش کیا، پھر اس پر علماء کے درمیان مذاکرہ ہوا۔ اس نشست میں مفتی امانت علی قاسمی (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند) نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ”یہ بہت ہی حساس موضوع ہے، اس پر غور کرتے وقت نصوص کی روشنی میں بتوت کی منشاء کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔“

مفتی عبد الرزاق قاسمی نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ: ”خواتین کی مسجد میں آمد کے سلسلہ میں ہمیں علماء، فقہاء اور ائمہ ارجاع کے اقوال کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے۔“ ساتھ ہتھی یہ بھی کہا کہ: ”مسجد کے اندر بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے، اس کے لیے جگہ جگہ مکاتب قائم کیے جائیں اور گھروں میں ان کی تربیت کی فکر کی جائے، یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔“

مفتی عبد اللہ اسعدی کی دعاء پر نشست کا اختتام ہوا۔

چوتھی نشست

بعد نماز مغرب ”سوئے چاندی کا معیار نصاب اور ضم نصاب کا مسئلہ“ کے موضوع پر چوتھی نشست مفتی اختر امام عادل قاسمی (ناظم جامعہ الحدیث دارالعلوم، منو) نے بھی اس موضوع پر اظہار

مفتی عسیب اللہ قاسمی کی مندرجہ ذیل کتابوں کا بھی اجراء ہوا:

- ۱- حقیقت فہمیہ ۳ جلدیں
- ۲- حادث الفتاویٰ ۲ جلدیں
- ۳- حیات حبیب الامم ۲ جلدیں
- ۴- جمال ہم نشیں
- ۵- حبیب السالکین

دوسری نشست

افتتاحی نشست کے بعد دوسری نشست جو پہلی موضوعاتی نشست تھی، مورخہ ۲۱ اکتوبر ۲۰۲۳ء مطابق ۵ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ بروز سنبھل صبح ساری ہے آٹھ بجے مفتی عبد اللہ اسعدی کی زیر صدارت منعقد ہوئی، اس کا موضوع تھا: ”عواوی مقامات پر نماز کا مسئلہ،“ نشست کا آغاز ڈاکٹر محمد علی ندوی کی تلاوت سے ہوا، نعت نبی محمد لقمان (متعلم: عالیہ رابعہ شریعہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے پیش کی۔ جب کہ اس نشست کی نظمات ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی (شعبہ اسلامیات، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد) نے کی، مولانا بدر احمد مجھی ندوی (استاذ المحمد العالی للتدريس على القضايا والافتاء، امارت شرعیہ، پنڈ) نے مذکورہ موضوع پر ”عرض مسئلہ“ پیش کیا، پھر علماء کے درمیان اس پر مناقشہ ہوا۔ مولانا عبد اللہ اسعدی نے صدارتی خطاب میں کہا کہ: ”عواوی مقامات پر نماز پڑھنے کا مسئلہ بین الاقوامی بن چکا ہے، آج کا دور فتنوں کا ہے، وشمنوں کے عزم خطرناک ہیں، اس لیے ہمیں بہت احتیاط کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔“

مہمان خصوصی مفتی اور علی اعظمی (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم، منو) نے بھی اس موضوع پر اظہار

بادپیش کی اور سینار کی مثالی صیافت پر مندویین کی طرف سے منتظرین کا شکریہ ادا کیا، اسی طرح مولانا عتیق احمد بستوی کو مبارک بادوی۔

کنویز برائے سینار مولانا رحمت اللہ ندوی نے اختتامی نشست کی نظمت اور تجاویز کی خواندگی کی، اس کا آغاز مولانا قاری طاطہر ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی تلاوت سے ہوا اور عبد اللہ مفتی عبدالرازاق قاسمی (استاذ دارالعلوم دیوبند) عتبان نے نعت پڑھی۔ مولانا عتیق احمد بستوی اپنے کلمات تشكیر میں کہا کہ: ”اسلام ایک آفاقت اور دلکشی مذہب ہے، ہندوستان میں اس کے تحفظ کے لیے ہر دور میں مختلف سطح سے کوششیں کی گئیں، اس میدان میں ندوۃ العلماء کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوہ کا ایک اہم شعبہ ہے، اس کی خدمات قبل ستائش ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ یہ مجلس اسی طرح شرعی مسائل کے میدان میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔“ انہوں نے سینار کے کامیاب انعقاد پر ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں، بالخصوص ناظم ندوۃ العلماء کو مبارک

مہمان خصوصی کی حیثیت سے اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا بلال عبد الجی حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے کہا کہ: ”ہمیں نئے مسائل میں اجتماعی غور و خوض کرتے ہوئے نصوص کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور حالات کو دیکھتے ہوئے امت کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔“

مفتی عبد الرحمٰن عظی ندوی نے انجام دیا، آپ نے مندویین کی جانب سے نمائندگی کرتے ہوئے اپنے کلمات تشكیر میں کہا کہ: ”اسلام ایک آفاقت اور دلکشی مذہب ہے، ہندوستان میں اس کے تحفظ کے لیے ہر دور میں مختلف سطح سے کوششیں کی گئیں، اس میدان میں ندوۃ العلماء کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوہ کا ایک اہم شعبہ ہے، اس کی خدمات قبل ستائش ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ یہ مجلس اسی طرح شرعی مسائل کے میدان میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔“

☆☆☆☆☆

آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے غیر معقول کوششیں کیس اور اپنے پیچھے اتنا سرمایہ چھوڑ گئے کہ آنے والی نسلیں قیامت تک اس سے استفادہ کر سکتی ہیں۔

نشست کی نظمت کے فرائض مولانا منور سلطان ندوی نے انجام دیے اور مفتی عبد اللہ اسعدی کی دعاء پر نشست کا اختتام ہوا۔

اختتامی نشست

سینار کی اختتامی نشست مورخ ۲۲ اکتوبر ۲۰۲۳ء مطابق ۶ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ بروز اتوار کی صدارت کا فریضہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن عظی ندوی نے انجام دیا، آپ نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ: ”جن تین موضوعات کے تحت یہ سینار منعقد ہوا، وہ نہایت اہم تھے اور مفتیان کرام نے بہت عرق ریزی کے ساتھ عمده تجاویز پیش کیں۔“ مزید فرمایا کہ: ”ہمیں ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے انسان بننا چاہیے اور ہر حال میں اسلامی کی کمل نمائندگی کرنی چاہیے، تاکہ اسلام کی اچھی تصویروں کے سامنے آئے۔“

عقل واریب اور فہیم و داشمند مومن

مولانا محمد علاء الدین ندوی

مولانا محمد علاء الدین ندوی ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم بنائے گئے، تو اس وقت ۲۲ رسال کے جواب ہمت بزرگ تھے، نومبر ۱۹۹۳ء میں انتقال پر ملا فرمایا تب ۸۸ رسال کے عمر مد صالح تھے، میرے سن فراغت (۱۹۷۸ء) کے سال آپ ۷۰-۷۱ء کے پیٹھے میں ہوں گے، میں نے اپنے سات آٹھ سالہ دور قیام میں ان کو کبھی بوڑھا نہیں پایا، اس کی وجہ شاید ان کا تصور شیب و شباب ہو گا، مولانا عاقل واریب اور فہیم و داشمند مومن تھے، وہ اس حقیقت سے خوب آگاہ تھے کہ مومن کا شعوری ایمان اہل ایمان کو ہمیشہ جواب اور تونمند رکھتا ہے، یہی جواب اور تونمند ایمان اُسے کسی باطل کے سامنے سرگوں ہونے نہیں دیتا، یہی ایمان اس کی قوت کا رو بڑھا دیتا رہتا ہے، جس کے فیض اثر سے وہ کشت ویران کوکل و گلزار بناتا ہے، جبکہ ایمان سے کورے، باطل کے غلام اور دولت کی دیوی کے پچاری اپنی قوت کا رکارڈگی سے بہت جلد عاری ہو جاتے ہیں، ہماری ملت میں جس کثرت کے ساتھ ایمان سے سرشار یا بوجھ ملیں گے جو اپنی روحانی اسپرٹ اور قوت کا رکارڈگی میں جوان صفت بجا ہے، یہ تناسب آپ کو غیروں میں کہاں ملے گا؟ فرزندان ندوہ ہی کی ایک لمبی فہرست ضرور دیکھنے کو ملے گی جن کے ملخصہ عمل، جن کی محنت، لگن، تڑپ، دل سوزی اور دسیوں طرح کی عملی سرگرمیاں اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہیں کہ جسم کے بڑھاپے کے باوجود ان کا پھول ہمیشہ ٹکفتہ اور ہر لمحہ جوان رعناء ہی رہتا ہے۔

☆☆☆

سوال و جواب

مفتي محمد ظفر عالم ندوی

متروکہ میں وہ شامل ہوگی اور تمام ورثاء اس کے
حقدار اپنے حصہ کے بقدر ہوں گے۔

[ملاحظہ ہو: رداختار: ج، ص/۹۲۳]

سوال: ایک شخص نے اپنے مرض الموت میں اپنا
مکان اپنی بیوی کے حق میں وصیت کر دی، اب ان کا
انتقال ہو گیا ہے، مرحوم کی بیوہ وصیت نامہ دکھارہی
ہیں، اور یہ کہہ دی ہیں کہ مکان میرا ہے، مجھے شوہر
نے دیدیا ہے، کیا ازروئے شرع یہ مکان بیوی کا
ہو گیا یادگیر ورثاء بھی اس میں حصہ پائیں گے؟

جواب: بیوی وارث ہے، ان کے حق میں وصیت
نہیں ہو گی، ہاں! اگر دیگر ورثاء اس وصیت سے راضی
ہوں تو وصیت نافذ ہو جائے گی ورنہ نہیں، حدیث
میں یہ حکم موجود ہے: "لا وصیة لوارث الا ان
یجیزها الورثة" [دارقطنی و تیہقی، الدر المختار علی رود
المختار، کتاب الوصول: ج، ص/۳۴۶]

سوال: نافرمان اولاد کو میراث سے محروم کرنا
کیسا ہے؟

جواب: والدین کی نافرمانی کی وجہ سے کوئی
اولاد وراثت سے محروم نہیں ہو گی، کیونکہ وراثت
ایک اختیاری ملک نہیں ہے، باب کو یہ حق نہیں ہے
کہ اپنے بعد ورثاء میں سے کسی کو وراثت سے محروم
کر دے، شریعت نے جو حصہ جس وارث کا متعین
کر دیا ہے وہ اس کو ضرور ملے گا خواہ مورث راضی

ہو یا نا راض، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے وارث کو
میراث سے محروم کر دے، اللہ تعالیٰ قیامت کے
دن اسے بھی جنت کی میراث سے محروم کر دے گا:
”من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من
الجنة یوم القيمة“۔ [مشکوٰۃ: ص/۲۶۶]

☆☆☆☆☆

فارم میں اگر بیوی کا نام دیا جائے تو اس شخص کے
انتقال کے بعد اس پوری رقم کا حقدار صرف بیوی
ہو گی؟ یادگیر ورثاء بھی اس میں حصہ پائیں گے؟
جواب: بیوہ کی رقم وصول کرنے کے لیے جب
فارم میں بیوی کا نام دیا جائے تو اسے صرف رقم
وصول کرنے کا حق ہو گا، وہ کل رقم کی مالک نہیں
ہو گی بلکہ اس میں بیوہ کے ساتھ دیگر ورثاء حصہ
پائیں گے، یاد رہے کہ ورثاء صرف زراثل کے
مالک ہوں گے، زراثل کے علاوہ جوزائد رقم طے
گی، وارثین پر واجب ہے کہ بلانیت ثواب اسے
ضرور مندوں پر صدقہ کر دے۔

سوال: سرکاری ملازمین کی وفات کے بعد ان کی
بیوی کو جو پیش ملتی ہے، کیا اس میں دوسرا سے ورثاء
بھی حقدار ہوں گے یا یہ صرف بیوی کی ہو گی؟
جواب: پیش حکومت کی طرف سے ایک تبرع
اور احسان ہے جو ملازم کی بیوی کو ملتی ہے، اس لیے
اس میں وراثت جاری نہیں ہو گی، اور نہ دیگر ورثاء کا
اس میں کوئی حق ہو گا۔

سوال: ایک شخص سگین مرض میں بیٹلا ہو گیا اور اسی
مرض میں انتقال کر گیا، سرکاری طرف سے میڈیکل
امداد لیتھی لیکن وہ رقم مرحوم کی وفات کے بعد بیوی کو
ملی تو کیا یہ رقم بیوی کی ملک ہو گی یا مال متروکہ میں
شمار ہو گی اور تمام ورثاء میں تقسیم کی جائے گی؟

جواب: میڈیکل امداد مرحوم کے علاج کے لیے
ملی تھی، بعد وفات جب وہ رقم موصول ہوئی تو مال

سوال: ایک سرکاری ملازم نے گرجوٹی کے
فارم میں اپنی اہلیہ کا نام لکھا، اب ان کا انتقال
ہو گیا ہے، ان کے کئی ورثاء ہیں، کیا وہ رقم مرحوم کی
صرف بیوی کو ملے گی یادگیر ورثاء بھی اس میں
حصہ پائیں گے؟

جواب: وارثین میں جب کسی کا نام گرجوٹی فارم
میں دیا جاتا ہے تو اس کا مقصود صرف رقم وصول کرنا
ہوتا ہے، نامزد شخص یا عورت کو مالک بنانا نہیں ہوتا
ہے، اس لیے اس گرجوٹی میں مرحوم کی زوجہ کے
ساتھ دیگر ورثاء بھی وارث ہوں گے، اور ہر ایک کو
اس میں اپنے حصہ کے بقدر رقم ملے گی۔

سوال: ایک شخص کی اہلیہ نے مہر معاف کر دیا تھا،
زندگی میں بیوی نے ان سے مطالبہ نہیں کیا، لیکن
شوہر کے انتقال کے بعد مال متروکہ میں سے پہلے وہ
مہر مانگ رہی ہیں اور اسے دین میں شمار کرتے
ہوئے تقسیم وراثت پر مقدم سمجھتی ہیں، کیا ان کا یہ
مطالبہ درست ہے؟

جواب: دین مہر معاف کرنے سے معاف
ہو جاتا ہے، بیوی نے مہر معاف کر دینے کے بعد
شوہر سے جب مطالبہ نہیں کیا تو اب ان کی وفات
کے بعد مطالبہ مہر کا حق نہیں ہو گا، اس لیے یہ
مطالبہ غلط ہے اور اسے دین نہیں مانا جائے گا۔

[الدر المختار مع ردا المختار: ج/۳ ص/۱۵۰]

سوال: بعض لوگ بیمه پالیسی چلاتے ہیں، اسی
طرح سرکاری ملازمین کو بھی انشورنس کرانا پڑتا ہے،

NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U.P. (INDIA)



ندوہ العلماء

پوسٹ بائس، ۹۳، یگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسم اللہ تعالیٰ

Date 10,25 November 2023

تاریخ ۲۵ نومبر ۲۰۲۳ء

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹر

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوہ العلماء، حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوہ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی و تعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ و کارکنان ندوہ العلماء اپنی ذمہ دار یوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ و اسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطہ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوہ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹر اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹر کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اس صورتِ حال کے پیش نظر پہلے ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکارم نگر میں اسٹاف کوارٹر تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمد للہ اہل خیر کے تعاون سے مکمل ہو گیا۔ اب کیمپس کے اندر ہی مزید کوارٹر کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر شروع کرادی گئی ہے، زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہو گی، جس میں ۹ فلیٹی کوارٹر ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ - 1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہو گا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوہ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(مولانا) جعفر مسعودی ندوی

(ڈاکٹر) محمد سالم صدیقی

(ڈاکٹر) تقی الدین ندوی

ناظر عالم ندوہ العلماء

معتمد مال ندوہ العلماء

معتمد تعلیم ندوہ العلماء

نوت: چیک/ڈرافٹ پر صرف لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پرچے پر ارسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA

Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیات کرام! برآ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 8736833376

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے ذفری کاروائی میں سہولت ہو گی۔

فجزاً کم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in

Email : nizamat@nadwa.in

NADWATUL ULAMA

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW

(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK

<https://www.nadwa.in/donation/>

نوت: ندوہ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G کمپنی میں ایک ۱۹۶۱ء کے تحت اکمیکس سے مشتمل ہو گا